قومی بیانیہ:
تصور اور لائحۂ عمل

محمد ضیاء الحق ۞

تعارف ۞

پیغام پاکستان اسلامی جمہوریہ پاکستان کا وہ متفقہ قومی بیانیہ ہے جس کی رونمائی صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان نے ۱۸؍ جنوری ۲۰۱۸ء کو ایوان صدر میں کی تھی۔ یہ بیانیہ قرآن و سنت اور دستور پاکستان کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کے بعد یہ ایک ایسی متفقہ دستاویز ہے جسے تمام مکاتب فکر کی تائید و حمایت حاصل ہے۔ یہ متفقہ بیانیہ قوم کی متحدہ آواز اور ریاست پاکستان میں ایک پر امن، خوشحال، روادار اور ہم آہنگ معاشرے کی تشکیل کے عزم کا اظہار ہے۔ اس بیانیے کے ذریعے تشدد، انتہا پسندی، دہشت گردی، غلو اور فرقہ پرستی سے پاک حقوق و فرائض پر مبنی اسلامی معاشرے کی پاکستان میں تشکیل جدید ممکن ہے۔ اس تحقیقی مقالے میں بیانیے کے تصور، انواع و اقسام، موانع و مشکلات اور مؤثر لائحۂ عمل کا مطالعہ کیا جا رہا ہے، جب کہ بیانیہ سازی کی اسلامی روایت اور **پیغام پاکستان** کے مندرجات کے حوالے سے مزید تحقیق کر کے اس مقالے کے تسلسل کے طور پر مزید تحقیقی مقالات کو شائع کیا جائے گا۔ یہ مقالہ بیانیے کے بنیادی تصورات کی وضاحت اور اس کی تیاری کے لائحۂ عمل سے متعلق ہے۔ دور حاضر میں بیانیہ سازی کو وسائل اتصال میں ترقی کی بنا پر بہت اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ اقوام عالم میں بیانیے کی کشمکش زوروں پر ہے؛ ہر ملک کی کوشش یہ ہے کہ اس کے بیانیے کو ہی حقیقت سمجھا جائے اور اسی کے ذریعے دوسری قوموں اور ملکوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں بڑی فنی مہارت کے ساتھ بیانیہ تیار کیا جاتا ہے اور پھر قومی اہداف کو حاصل کرنے کے لیے اس کی منظم طریقے سے ترویج کی جاتی ہے۔ بد قسمتی سے پاکستان میں بیانیہ سازی پر زیادہ تحقیقی کام نہیں ہوا اور اردو زبان میں تو بیانیے کو صنف ادب کے

۞ پروفیسر شریعہ و اسلامک لا / ڈائریکٹر جنرل ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔
(muhammad.ziaulhaq@iiu.edu.pk)

۞ مقالہ ہذا کی تیاری میں ادارے کے رفقا جناب ڈاکٹر محمد احمد منیر، جناب متین احمد شاہ، جناب عثمان علی شیخ، جناب عبد الرؤف اور جناب شکیل احمد نے کئی معاملات میں معاونت کی۔ مقالہ نگار ان تمام ساتھیوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہے۔

علاوہ کافی حد تک نظر انداز ہی کیا گیا ہے۔ اسی لیے یہ مقالہ اردو میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس مقالے کے ذریعے بیانیہ سازی کے بنیادی تصورات اور لائحہ عمل کو اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ پالیسی ساز، محقق، اساتذہ، علما، سماجی رہ نما اور دوسرے متعلقین بیانیہ سازی کے تصورات اور اس کی تطبیق کے عمل میں اپنے تجربات شامل کر سکیں۔ یہ مقالہ ایک طرف اردو میں بیانیہ سازی کے موضوع پر معیاری تحقیقی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش ہے تو ساتھ ہی اس موضوع پر گفت گو کا آغاز بھی ہے۔ اس مقالے کے لیے بیانیہ، تاریخی، دستاویزی اور اسلامی اصول تعبیر و تشریح کے استخدام سے مکمل کیا گیا ہے۔ اس مطالعے میں یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ بیانیہ سازی کی مختلف اصطلاحات کو نہ صرف اردو میں منتقل کیا جائے بلکہ انھیں متداول بھی بنایا جائے۔ چوں کہ بیانیہ سازی صرف ایک علمی شعبے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں تنوع ہے اس لیے اس مقالے کے لیے بھی متنوع افکار و اسالیب کو اختیار کیا گیا ہے۔ بیانیہ سازی کے تصورات اور اس کی انواع و اقسام اور محرکات وغیرہ پر ترقی یافتہ زبانوں میں کافی مواد موجود ہے۔ اسی مواد سے استفادہ کرتے ہوئے پاکستانی حالات و واقعات سے مطابقت پر مبنی یہ تحریر ریاست پاکستان کی انتہا پسندی کے خلاف پالیسی سازی کے مطالعے میں ایک اضافہ ہے۔

۱—ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اور قومی بیانیہ

۱۰۱—ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا پس منظر

۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جب پاکستان آزاد ہوا تو کئی سوالات جواب طلب تھے: پاکستان کا آئینی ڈھانچہ کیا ہو گا؟ نظام حکومت کیسا ہو گا؟ ریاست اور دین کا باہمی تعلق کیسا ہو گا؟ اور ریاست کے اداروں کی تشکیل کس طرح ہو گی؟ ان سوالات کے جواب کے حوالے سے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی فکر پہلے سے موجود تھی۔ اسی فکر کی روشنی میں ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد منظور ہوئی۔ قرارداد مقاصد میں قیام پاکستان کے وقت موجود سوالات کا نہ صرف اجمالی جواب دیا گیا بلکہ ریاست کے تفصیلی خدوخال اور دستور کی تیاری کے لیے رہ نما اصول بھی وضع کر دیے گئے۔

قرارداد مقاصد میں مذکور اسلامی اقدار یعنی جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری، سماجی انصاف کی عملی تعبیرات اور قرآن و سنت کی روشنی میں اسلامی تعلیمات اور تقاضوں کی وضاحت کے لیے ایک تحقیقی ادارے کا قیام ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے پہلے دستور، جو کہ ۱۹۵۶ء میں نافذ ہوا، میں نہ صرف ادارہ کے قیام کی تجویز دی گئی بلکہ اس کے مشن کی نشان دہی بھی درج ذیل الفاظ میں کر دی گئی:

ا۔ صدر ایک تنظیم قائم کرے گا جسے ادارہ اسلامی تحقیقات و ہدایت برائے اعلیٰ تعلیم کہا جائے گا جو مسلم معاشرے کی صحیح اسلامی خطوط پر تشکیل نو میں مدد کرے گا۔

ب۔ اس کے اخراجات پورے کرنے کے لیے پارلیمنٹ قانون کے ذریعے مسلمانوں پر خصوصی ٹیکس عائد کرے گی۔[1]

۱۹۵۶ء کے دستور کے مطابق ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا قیام ایک دستوری تقاضا تھا۔ اس غرض کے لیے مرکزی وزارت تعلیم نے مارچ ۱۹۵۸ء میں ایک تنظیمی کمیٹی قائم کی۔ اس کمیٹی کا پہلا اجلاس ۱۴/ مارچ ۱۹۵۸ء کو اس وقت کے منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین جناب ممتاز حسین کی زیر صدارت منعقد ہوا۔

ادارے کے قیام کے حوالے سے قائم شدہ اس کمیٹی نے بحث و مباحثے اور گہرے غور و فکر کے بعد دستور پاکستان کی متعلقہ دفعات کو مد نظر رکھتے ہوئے ادارے کے قیام کے لیے درج ذیل قرار داد پاس کی:

The Institute will be concerned with the study of Islam and its civilization and culture and will promote research in all branches of thought and learning in which Muslims have distinguished themselves in the past and which are of importance to them in present day conditions in order to assist in the re-construction of Muslim society on a truly Islamic basis.[2]

(اس ادارے کا تعلق اسلام اور اس کی تہذیب و ثقافت کے مطالعے سے ہو گا۔ یہ ادارہ فکر و عمل کے ان تمام میدانوں میں تحقیق کو ترقی دے گا جن میں مسلمانوں نے ماضی میں اپنے آپ کو ممتاز کیا اور جو ان کے لیے آج کے حالات میں اہم ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہو گا کہ حقیقی اسلامی اساس پر مسلم سماج کی تشکیل جدید میں معاونت کی جائے۔)

اس انتظامی کمیٹی کی قرارداد کے نتیجے میں ادارے کے قیام کا رسمی اعلامیہ ۱۰/ مارچ ۱۹۶۰ء کو جاری کیا

ا۔ **مباحث دستور ساز اسمبلی**، جلد نمبر ا، شمارہ نمبر ۲۰، ۱۲۹۴؛ **دستور پاکستان ۱۹۵۶ء**، دفعہ ۱۹۷۔

۲۔ جناب ڈاکٹر آئی۔ ایچ زبیری کی اس تقریر کا متن ان کی زوجہ محترمہ سعیدہ زبیری نے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کو فراہم کیا تھا۔ دیکھیے:

Itrat Husain Zuberi, "Oranization and Development of the Islamic Research Institute", *: Islamic Studies* 34: 4 (1995), 473-475 ;

اس قرارداد کا نسخہ ادارے کی تاریخی گیلری میں لگایا گیا ہے۔ اس نسخے میں قرارداد پر شرکائے اجلاس کے نام اور دست خط موجود ہیں۔ مزید دیکھیے:

Hand Book and Master Plan of Islamic Research Institute, Islamabad, Pakistan, 14.

گیا۔[۳] اس رسمی اعلان میں ادارے کے مقاصد، اس کے منسلکہ ادارے، ادارے کے بورڈ آف گورنر، کوارڈینیٹنگ کمیٹی، ادارے کے بورڈ آف گورنرز کے اختیارات اور ادارے کے مقام کی جگہ کا تعین کیا گیا۔

اس اعلامیے کے مطابق ۱۹۶۰ء میں جاری کیے جانے والے ادارے کے مقاصد بڑے اہم اور واضح تھے اور ان کا ہدف پاکستانی معاشرے کی اسلامی اقدار پر ایسی جدید تشکیل تھی جس میں عالم گیر اخوت، رواداری اور سماجی انصاف جیسی اسلامی، لیکن دور حاضر میں اہم اقدار پر عمل درآمد ہو۔ ان اقدار کو معاصر تقاضوں کے مطابق اسلامی تعلیمات کی علمی اور عقلی تفہیم کے بغیر عمل میں نہیں لایا جاسکتا تھا۔ اس لیے ان مقاصد میں اسلام کی حرکت پذیری کو بنیاد بناتے ہوئے فکر، سائنس اور ثقافت میں ایسی تحقیقات پر زور دیا گیا جن سے مسلمان دوبارہ ان علمی میادین میں نمایاں مقام حاصل کر سکیں۔ ادارے کے یہ مقاصد انسانی علوم کے مختلف شعبوں میں ایسی تحقیق کو منظم کرنے پر زور دیتے ہیں جو ماضی سے رشتہ قائم رکھتے ہوئے مستقبل کے لیے راہ عمل متعین کرے۔ یہ مقاصد واضح طور پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نظریۂ تشکیل جدید اور اسلام کی حرکت پذیری جیسے افکار کی روشنی میں تشکیل دیے گئے تھے۔ اس لیے یہ مقاصد ادارے کے اصول اور بنیادی ماخذ کی حیثیت اختیار کر گئے اور بعد میں مختلف ادوار میں ادارے کی جو پالیسیاں بنتی رہیں، یہ مقاصد ان میں شامل رہے۔[۴]

۱۰۲- قومی بیانیہ کی تیاری میں ادارہ تحقیقات اسلامی کا کردار

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کے بورڈ آف ٹرسٹیز (BOT) کا بارھواں اجلاس صدر پاکستان اور بورڈ کے چیئرمین جناب ممنون حسین کی زیر صدارت ۱۷/ اپریل ۲۰۱۷ء کو فیصل مسجد کیمپس کے علامہ اقبال آڈی ٹوریم میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں صدر پاکستان نے تعلیمی اداروں اور مسلم مفکرین سے دہشت گردی اور انتہا پسندی

3– Notification No. F-15-1059-E.IV, Government of Pakistan, Ministry of Education, Dated: March 10th, 1960.

۴– محمد خالد مسعود، "ادارہ تحقیقات اسلامی کے اغراض و مقاصد: تاریخی و تحلیلی جائزہ" **فکر و نظر**، اسلام آباد، ۱۳: ۱۱ (مئی ۱۹۷۶ء)، ۹۶۷–۹۶۸۔

Above mentioned notification dated 10-03-1960; Compendious of Islamic Research Institute's Rules & Regulations 2017, 24;

ادارے کے مقاصد مختلف ادوار میں تبدیل ہوتے رہے ہیں؛ ان سب کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: محمد ضیاء الحق، "ادارہ تحقیقات اسلامی: تاریخ، اہداف اور خدمات"، **فکر و نظر**، اسلام آباد، ۵۵: ۱– ۲ (جولائی–دسمبر ۲۰۱۷ء)، ۳۱–۴۰۔

کے خلاف اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قومی بیانیہ تیار کرنے کے لیے کہا۔(۵)

ادارہ تحقیقات اسلامی کے اغراض و مقاصد کی موجودگی میں صدر اسلامی جمہوریۂ پاکستان کی ہدایت کی روشنی میں یونی ورسٹی انتظامیہ نے ادارہ تحقیقات اسلامی کو اس کے قیام کے مقاصد سے ہم آہنگ ہونے کی بنا پر قومی بیانیہ تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ ادارے نے اس ضمن میں قومی سلامتی کے اداروں، مذہبی رہ نماؤں، دینی قائدین، علما اور محققین سے مل کر تحقیقی اور فکری بنیادوں پر قومی بیانیہ تیار کرنے کی کاوشوں کا آغاز کر دیا۔ اس ضمن میں ادارے نے درج ذیل بنیادی اصول طے کیے(۶):

۱۔ قومی بیانیہ قرآن و سنت اور دستور پاکستان کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

۲۔ قومی بیانیہ تمام مکاتب فکر کے لیے قابل قبول ہو۔

۳۔ قومی بیانیہ ان تمام سوالات کے واضح جوابات دے جن کی وجہ سے سرزمین پاکستان میں انتہا پسندی، تشدد، تخریب کاری اور دہشت گردی بڑھ رہی ہے۔

۴۔ قومی بیانیہ وہ فکری رہ نمائی فراہم کرے جس کی بنا پر پاکستانی معاشرے کی اسلامی بنیادوں پر تشکیل جدید کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔

۵۔ قومی بیانیے کے ذریعے وہ عملی اقدامات تجویز کیے جائیں جو پاکستانی معاشرے سے تشدد، انتہا پسندی، فرقہ واریت، عدم برداشت، نفرت انگیزی، اور دہشت گردی کا خاتمہ کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوں۔

۶۔ قومی بیانیہ اگر مگر کے بغیر واضح اور قابل فہم مؤثر الفاظ کی صورت میں دہشت گردوں اور تخریب کاروں کے پھیلائے ہوئے فکری مغالطوں کا رد کرے۔

۷۔ قومی بیانیے میں اسلامی جمہوریۂ پاکستان کی کام یابیوں کا بھی ذکر ہو اور ان کمیوں اور کوتاہیوں کی بھی نشان دہی ہو جو ملکی ترقی اور استحکام میں رکاوٹ بنیں۔

۵۔ دیکھیے روزنامہ **جنگ** ۱۸/اپریل ۲۰۱۷ء ؛روزنامہ **اوصاف** ۱۸/اپریل ۲۰۱۹ء ؛روزنامہ **دنیا**،۱۸/اپریل،۲۰۱۷ء Daily *Times*, April 18, 2017, ; Daily *Pakistan Observer*, April 18, 2017 ; Daily *National Herald Tribune*, April 18, 2017.

۶۔ یہ اصول ادارہ تحقیقات اسلامی میں ۲/مئی ۲۰۱۷ء کو منعقد ہونے والے اس اجلاس میں طے کیے گئے جس کی صدارت ادارہ کے ڈائریکٹر جنرل نے کی اور اس میں ادارے کے محققین کے علاوہ مختلف ریاستی اداروں کے نمائندہ افراد نے بھی شرکت کی۔

۸۔ قومی بیانیے میں تمام طبقات فکر، علما، اساتذہ، خواتین، نوجوانوں، ہنر مندوں اور عام و خاص سب کے لیے رہ نمائی موجود ہو۔

انھی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ادارہ تحقیقات اسلامی نے قومی بیانیہ **پیغام پاکستان** کی تیاری میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ **پیغام پاکستان** کے قومی بیانیے کے خدوخال اور اس کے مندرجات کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ بیانیے کی تشکیل سے متعلقہ بنیادی تصورات، بیانیے کی اہمیت اور اس سے متعلقہ ضروری امور کا جائزہ لیا جائے اور یہی مطالعہ اس مقالے میں پیش کیا جارہا ہے۔

۲۔بیانیہ: تعارف واہمیت

۲۰۱۔ بیانیے کا لغوی مفہوم

بیانیے کا لفظ "بیان" سے ماخوذ ہے۔ بیان کی اصل ب ي ن ہے جس سے بانَ بیانًا و تبیانًا و تِبیانًا جیسے الفاظ مشتق ہیں۔ یہ سب الفاظ وضاحت اور واضح کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔[۷] البیان کی لغوی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی جاتی ہے:"والبیانُ: مابین به الشیء من الدلالة وغیرها و بان الشي بیانًا: اتضح، فهو بین."[۸] (بیان سے مراد وہ چیز ہے جو دلالۃ وغیرہ سے واضح ہو جائے یعنی ایسے الفاظ جو کسی چیز کو اس طرح واضح کر دیں کہ اس میں کوئی اشکال باقی نہ رہے۔)

بیان کا لفظ قرآن پاک میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ﴿۴﴾﴾[۹]

([خدا جو] نہایت مہربان، اسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی، اسی نے انسان کو پیدا کیا، اسی نے اس کو بولنا سکھایا۔)

۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن منظور الافریقی، **لسان العرب**، تحقیق، علی شیری (بیروت: داراحیاءالتراث العربي، ۱۹۸۸)۱: ۵۶۱؛ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی، **مختار الصحاح**، تحقیق، محمد حلاق (بیروت: داراحیاءالتراث، ۱۹۹۹ء)، ۵۴ ؛ طاہر احمد الرازی، **ترتیب القاموس المحیط علی طریقة المصباح المنیر و أساس البلاغة** (بیروت: دار الفکر)،۱: ۳۵۱؛ **المنجد فی اللغة و الآداب والعلوم** (بیروت: المطبعة الکاثولیکیة)،۵۷۔

۸۔ ابن منظور الافریقی، **لسان العرب**،۱: ۵۶۱۔

۹۔ القرآن ۵۵: ۱–۴۔

بیان چوں کہ بہت اثر انگیز ہوتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی اثر انگیزی کی بابت ارشاد فرمایا: "إنَ مِنَ البَیَان سِحراً وإن من الشعر حکمًا." [۱۰] (بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض شعر حکم (یعنی حکمت) پر مبنی ہوتے ہیں۔)

اردو زبان میں بیان کا مفہوم واضح، صاف اور روشن ہے۔ اسی طرح واضح گفت گو کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔ وعظ، تقریر یا لیکچر کے لیے بھی بیان کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ گفت گو بات چیت یا ذکر کے معنوں میں بھی یہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس سے ملتی جلتی دوسری اصطلاحات میں بیان تائیدی، بیان تحریری، بیان تقریری، بیان دعوی، بیان ضمنی وغیرہ بھی شامل ہیں۔[۱۱]

بیان میں چوں کہ اظہار مفہوم کی شدت ہوتی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ

البیان إظهار المقصود بأبلغ لفظ، وهو من الفهم وذكاء القلب من اللسن، وأصله الكشف والظهور۔[۱۲]

(بیان کا مطلب بلیغ ترین الفاظ کے ذریعے مقصود کا اظہار ہے۔ اس کا تعلق سمجھ بوجھ ذہانت اور زبان دانی سے ہے اور اس کا اصل واضح کرنا اور ظاہر کرنا ہے۔)

عربی کے لفظ بیان سے ہی اردو اصطلاح بیانیہ ماخوذ ہے جس کے معنی کئی واقعات کی ایسی داستان ہے جو یکے بعد دیگرے علی الترتیب بیان کیے جاتے ہیں۔ بیانیہ ادبی اسلوب میں مصنف کسی واقعے، قصے، مطالعے یا مشاہدے کو حکایت یا کہانی کے انداز میں پیش کرتا ہے۔ بیانیے میں تخلیق کار کوئی واقعہ یا کوئی حدث مختلف کرداروں کے مکالمات کے ذریعے پیش کرتا ہے۔ بیانیے میں مختلف مناظر کو الفاظ کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ بیانیہ پیش کرنے اور اس کو مؤثر بنانے کے لیے کئی طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں، جن میں داخلی خود کلامی (Internal Monologue) بھی شامل ہے۔

بیانیے کی نوعیت کے اعتبار سے اس میں علامت اور تجدد کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ بیانیے سے فکشن کا

۱۰- البخاری، **الصحیح** ، کتاب النکاح، باب الخطبة، حدیث نمبر ۴۸۵۱، ۵: ۱۹۷۴؛ ابوداود، **السنن**، کتاب الأدب، باب ماجاء في الشعر، حدیث نمبر: ۴۸۱۰۴، ۸: ۲۹۱۔

۱۱- مولوی فیروز الدین، **جامع فیروز اللغات** (دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء)، ۲۵۰- ۲۵۱۔

۱۲- ابن منظور الافریقی، **لسان العرب**، ۱: ۵۶۱۔

پورا تانا بانا تیار کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ذریعے کہانی ایک خاص نقطۂ نظر کے گرد گھومتی رہتی ہے اور کہانی مخصوص Storyline کے ساتھ آگے بڑھتی رہتی ہے۔ بیانے کے ذریعے فن پارے کا پلاٹ بھی تیار ہو سکتا ہے، مزید یہ کہ اس کے ذریعے Storyline میں کرداروں یا واقعات یا مکالموں کو بھی ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ بیانیے کے ذریعے واقعات میں مختلف مناظر کو بھی تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ بیانیہ ایک طرف اگر اساطیر، تمثیل، حکایت، دیومالا، کتھا کہانی وغیرہ جیسی قدیم لوک روایتوں سے ملتا ہے تو اس کا دوسرا سرا دورِ حاضر کی جدید ادبی اصناف جیسے ڈرامہ، ناول، افسانہ وغیرہ سے ملتا ہے۔ بیانیے میں صنفی، موضوعاتی یا ہئیتی اعتبار سے کوئی پابندی نہیں ہے۔ محقق شمس الرحمٰن فاروقی کی رائے میں بیانیے سے مراد وہ تحریر ہے جس میں کوئی واقعہ یا واقعات بیان کیے جائیں۔ (۱۳)

کسی بھی بیانیے میں پرزور طریقے سے اپنے مؤقف کو دلائل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال بیانیہ شاعری بھی ہے جس میں شاعری قصہ گوئی کی طرح جاتی ہے۔ ایسی شاعری کا پلاٹ ڈرامائی اور سادہ ہوتا ہے۔ ایسی شاعری میں مکالموں اور آوازوں سے شاعرانہ آہنگ پیدا کیا جاتا ہے اور ایک مخصوص تمثیلی نمونہ تشکیل دیا جاتا ہے۔ بیانیہ شاعری مختصر اور طویل پیرائے میں لکھی جاتی ہے اور اسے ایک اظہاری فن کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ (۱۴)

انگریزی زبان میں بیان یا بیانیے کے لیے Narrative کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس کا لغوی مفہوم کسی چیز کا بیان کرنا ہے۔ (Something that is narrated)

اسی طرح یہ اصطلاح اپنی کہانی سنانے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتی ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے:

He is wrting a detailed narrative of his life.

معروف انگریزی لغت Merriam Webster میں Narrative کی درج ذیل تعریف کی گئی ہے:

> A way of presenting or understanding situation or series of events that reflects and promotes a particular point of view or set of values.[15]

Narrative سے مراد کسی صورت حال کی ایسی سمجھ یا ایسی وضاحت بھی ہے جس میں واقعات کی اس طرح تعبیر کی جاتی ہے کہ وہ ایک خاص نقطۂ نظر کی ترویج کا باعث ہو۔ Cambridge Dictionary کی رو سے

۱۳۔ ریاض احمد کٹھو، "بیانیہ: تعریف و توضیح"، **اردو ریسرچ جرنل**، نئی دہلی، ۵ (اپریل-جون ۲۰۱۵ء)، ۲۲-۲۵۔

۱۴۔ احمد سہیل، "بیانیہ شاعری کیا ہے؟ اور اس کی اقسام کیا ہیں؟" دیکھیے: www.punjund.com

15- https://www.merriam-webster.com/dictionary/narrative.

Narrative کا مفہوم: ".A particular way of explaining or understanding event"[16] ہے۔

۲۰۲-بیانیے کا اصطلاحی مفہوم

بیانیے کا اصطلاحی مفہوم اس کے استعمال کی مختلف صورتوں کی بنیاد پر متعین کیا جاتا ہے، مثلاً اردو ادب میں بیانیے کی اصطلاح کا استعمال صرف شاعری یا افسانوی ادب تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا استعمال غیر افسانوی ادب میں بھی ہوتا ہے۔ اخبارات کی رپورٹیں، تاریخی واقعات، سفر نامے، سوانح عمریاں اور خود نوشتیں وغیرہ یہ سب انواع غیر افسانوی ادب میں بیانیے کے استعمال کی مثالیں ہیں۔ بیانیے میں بیان کیے گئے حالات، واقعات اور تفاصیل فرضیہ بھی ہو سکتی ہیں اور حقیقی بھی ہو سکتی ہیں۔ بیانیے میں حقیقت او افسانے کا ملاپ بھی ہو سکتا ہے اور بعض حقائق کو توڑ مروڑ کر جھوٹ کے ساتھ اس کی آمیزش کر کے بھی بیانیہ بنایا جاسکتا ہے۔ بعض تاریخی روایات اور مذہبی قصے کہانیوں میں سچ اور جھوٹ کو اس طرح ملا دیا جاتا ہے کہ ان کے درمیان تمیز کرنا ممکن ہی نہیں رہتا؛ اس لیے بیانیہ کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے یہ کہنا ممکن ہے کہ

> بیانیہ محض واقعہ یا واقعات پر مبنی ہوتا ہے چاہے وہ واقعہ یا واقعات فرضی ہوں یا سر تا سر حقیقت سے تعلق رکھتے ہوں۔ ظاہر ہے معیناتی تہہ داری کے جتنے نمونے ہوں گے بہ شمول استعارہ، تمثیل اور علامت کے، بیانیہ سے ان کا جوڑ بہت پرانا ہے۔[۱۷]

بیانیہ یا Narrative وہ طاقت ور وسیلہ ہے جس کے ذریعے کسی ایک واقعے کی تفصیل یا واقعات کی تفاصیل کو ایک خاص نقطۂ نظر سے اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ سننے والا اس سے متاثر ہو کر بیان کرنے والے کے مؤقف کو ہی درست سمجھنا شروع کر دے۔ بیانیے میں واقعات کی تفاصیل اور ان سے متعلق معلومات کو احتیاط سے منتخب کیا جاتا ہے اور پھر ان معلومات کو ایک تسلسل کے ساتھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ سننے والا اسے ہی حقیقت اور سچ سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک ہی وقت میں کئی بیانیے چل رہے ہوتے ہیں؛ کچھ بیانیے درست ہوتے ہیں، کچھ غلط ہوتے ہیں؛ کچھ پر اثر ہوتے ہیں اور کچھ کا کوئی اثر نہیں ہوتا، کچھ بیانیے سب کو یا اکثریت کو متاثر کرتے ہیں اور کچھ بیانیے کسی مخصوص فکر کے حامل لوگوں کو ہی متاثر کر سکتے ہیں۔[۱۸]

16- https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/narrative

۱۷- کٹھو، "بیانیہ"، ۲۳۔

18- Jacob B. Hirsh, & Jordan B. Peterson "Personality and Language Use in Self-

بیانیے کا ہدف مخصوص لوگ ہوتے اور مؤثر بیانیہ وہ ہوتا ہے جس کے ماننے والے کسی دوسرے کی رائے کو سنے بغیر اپنے موقف کو بہ طور واحد سچ کے پیش کرتے ہیں۔ بیانیے کے ذریعے عقلی دلائل کے مقابلے میں کسی خاص فکر کی سوچ کو ایک متبادل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ وسائل بیانیے کی ایک اصطلاحی تعریف حسب ذیل ہے:

> بیانیے ہدف بند مخاطبین پر اثرانداز ہونے کے لیے طاقت ور وسیلہ ہیں۔ یہ ایسے متبادل استدلال کی تشکیل کا کام انجام دیتے ہیں جس کی جڑیں ثقافت اور مذہب میں بہت گہری ہوتی ہیں۔ بیانیوں کے ذریعے مقامی واقعات کی توضیح، تعبیر اور تشکیل اس طرح سے کی جاسکتی ہے کہ وہ ذاتی عمل کی حکمت عملی میں تبدیل ہو سکیں۔[۱۹]

بیانیہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے جڑا ہوا ہے۔ لیوتار[۲۰] کے نزدیک علم کے دو حصے ہیں: ایک بیانیہ اور دوسرا سائنسی علم؛ دونوں اگرچہ ایک دوسرے کے حریف ہیں، لیکن سائنس اور ٹیکنالوجی کی برتری کے باوجود بیانیہ ضروری ہے؛ کیوں کہ بیانیے کی کسوٹی سے ہی سائنسی روایت کی صحت اور عدم صحت یا صحیح اور غلط کی پہچان ہوتی ہے۔ بیانیے کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لیوتار کہتا ہے:

> بیانیہ سے ہی معاشرتی کوائف و روابط، نیک وبد، صحیح وغلط کی پہچان اور ثقافتی رویوں کے معیار طے ہوتے ہیں، بیانیہ نہ صرف کسی بھی معاشرے میں انسانی رشتوں کے نظم وربط کی نشان دہی کرتا ہے بلکہ فطرت اور ماحول سے انسان کے روابط کا مظہر ہوتا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں حسن، حق اور خیر کے معیار اس سے طے ہوتے ہیں اور عوامی دانش وحکمت

Narratives" *Journal of Research in Personality*, 43 (2009), 524-527; C. Conle, Narrative Inquiry, Research Tool and Medium for Professional Development" *European Journal of Teacher Education*, 23:1 (2000), 49–62; J.S Bell, "Narrative Inquiry: More Than Just Telling Stories" *TESOL Quarterly*, 36: 2, 207–213; P. Abell., *The Syntax of Social Life: The theory and Method of Comparative Narratives* (Oxford: Oxford University Press, 1987).

19– Steven R. Corman, "Understanding the Role of Narrative in Extremist Strategic Communication" in Countering Violent Extremism: *Scientific and Stragegies*, eds. Laurie Fenstermacher and Todd Leventhal (Wright-Peterson AFB, OH: Airforce Research Laboratory, 2011), 42.

۲۰– لیوتار (Jean-François Lyotard) ایک فرانسیسی مفکر ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۹۲۴ء کو ہوئی اور ۱۹۹۸ء میں پیرس میں ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے ۱۹۷۹ء میں اپنی مشہور کتاب *The Postmodern Condition* شائع کی۔ ان کے کام کی وجہ سے Postmodernism کو ایک منفرد نظریے کی حیثیت حاصل ہوئی۔ مغربی جدیدیت کے حوالے سے فلسفیوں میں نمایاں ترین شخصیات میں سمجھا جاتا ہے۔ دیکھیے:
https://www.plato.stanford.edu./entries/lyotard.

بھی اسی سرچشمے کی دین ہیں۔ مختصر یہ کہ کسی بھی ثقافت میں معاشرتی کوائف و ضوابط اور معاشرتی رویوں کی تشکیل و تہذیب جس سرچشمۂ فیضان سے ہوتی ہے وہ بیانیہ ہی ہے۔ (۲۱)

بیانیے کی کئی جہتیں اور بعض اوقات متضاد سمتیں بھی ہوتی ہیں جیسا کہ پاکستان میں "اسلامائزیشن آف لاز" (۲۲) کا بیانیہ ہے۔ اس بیانیے کی دو جہتیں ہیں: ایک گروہ جو کہ مغربی فکر سے وابستہ ہے وہ اسلامائزیشن کو ایسا بنیادی، مشکل اور رجعت پسندانہ عمل قرار دیتا ہے جس کا مقصد قدیم اور متعصبانہ قوانین کا نفاذ ہے۔ ان لوگوں کے خیال میں اس قسم کی مہم جوئی کا منطقی نتیجہ پاکستان میں انتہا پسندی اور دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے واقعات ہیں۔ اس ضمن میں وہ طالبان کے زیر اثر سوات میں نظام عدل کے نفاذ کو لیتے ہیں جو کہ طالبان کے دباؤ کا نتیجہ تھا اور اس کے بعد سوات پر طالبان نے قبضہ کر لیا، جسے پاکستانی افواج نے بعد میں خالی کروایا۔ (۲۳)

اسلامائزیشن کے بیانیے کی دوسری فکر، جو کہ زیادہ معروف ہے، کی رو سے اسلامی قوانین کا نفاذ پاکستان کے دستور کا تقاضا ہے۔ یہ عمل نہ صرف قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے کا ذریعہ ہے بلکہ لوگوں کی خواہش اور اصلاحات کے ایجنڈے کی تکمیل بھی ہے۔ اس فکر کے حاملین کا دعویٰ ہے کہ پاکستانی مسائل کا حل قوانین کو اسلامائز کرنا ہی ہے۔ ان کے خیال میں موجودہ سماجی، اقتصادی اور سیاسی چیلنجز پر اسلامی قوانین کے ذریعے ہی قابو پایا جاسکتا ہے۔ اس بیانیے کے حاملین تیز رفتار انصاف کی فراہمی کا ذریعہ بھی اسلامی اور شرعی قوانین کے نفاذ کو ہی مانتے ہیں۔ (۲۴)

اگرچہ بیانیے کی یہ دونوں جہتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن کچھ امور پر ان کا اتفاق ہے، مثلاً

۲۱– گوپی چند نارنگ، **ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات** (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۳ء)، ۵۳۱؛ کٹھو، "بیانیہ"، ۲۴۔

۲۲– پاکستانی مفہوم میں اسلامائزیشن آف لاز سے مراد پاکستانی نظام قانون کی وہ نظر ثانی ہے جس کے ذریعے اسے قرآن و سنت سے ہم آہنگ بنانا ہے۔ دستور پاکستان کے مطابق وفاقی شرعی عدالت کو قوانین کے (Judicial Review) کا اختیار حاصل ہے تاکہ تمام قوانین اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہوں، دیکھیے:

Moeen H. Cheema, "Beyond Beliefs: Deconstructing the Dominant Narratives of the Islamization of Pakistan's Law," *The American Journal of Comparative Law*, 60: 4 (October 1, 2012): 875–918,; Paul Taberham, Lessons in Perception: *The Avant-Garde Filmmaker as Practical Psychologist* (New York: Berghahn Books, 2018), 25–56.

23– Cheema, "Beyond Beliefs," 876.

24– Ibid.

دونوں اسلامی قانون کی تعریف پر متفق ہیں دونوں کے نزدیک یہ ایک مکمل ضابطہ ٔ حیات کی صورت میں مسلمانوں کو کلاسیکل اسلام میں رہ نمائی فراہم کرتا رہا ہے تاہم دونوں کے درمیان اختلاف اس بات پر ہے کہ اسلامی قانون کی معاصر اہمیت کیا ہے اور یہ جدید معاشرے پر کس طرح اثرانداز ہو سکتا ہے۔(۲۵) اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ ایک بیانیے (Narrative) کی کس طرح مختلف صورتیں اور جہتیں ہو سکتی ہیں۔

بیانیے کی نظریاتی تعریف کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ "یہ باہم متعلق سلسلہ وار منظم کہانیوں کا ایک ایسا مربوط نظام ہے جس میں یہ جذباتی خواہش مشترک ہوتی ہے کہ معلوم ادبی یا بیانیہ ہیئت کی مناسبت سے مخاطبین کی توقعات کی استواری کے ذریعے تنازعات کے حل کی کوشش کی جائے۔"(۲۶)

بیانیے کی کوئی متفقہ تعریف نہیں؛ اس لیے سٹیون کورمن[27] (Steven R. Corman) نے ۲۰۱۲ء میں بیانیے کے حوالے سے لکھا کہ " بیانیے میں اس دل چسپی کے باوصف، اس حوالے سے نہ ہونے کے برابر اتفاق رائے ہے کہ بیانیہ کیا ہوتا ہے اور یہ کیسے استعمال کیا جاتا ہے۔"(۲۸)

ایلکس شمد (Alex P Schmid) بیانیے کی مختلف تعریفوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> یہ اصطلاح عموماً ڈھیلے ڈھالے انداز میں استعمال کی جاتی ہے۔۔۔ درحقیقت بیانیہ کہانیوں کے ایک ایسے مجموعے کی طرح ہوتا ہے جس میں کسی مشترک موضوع کی توضیح کی گئی ہو، جیسا کہ یہ موضوع: "اچھے لوگوں کے ساتھ اچھا ہی ہوتا ہے اور بروں کے ساتھ برا۔" یہ ایک ایسی بات ہے جسے ہم حقیقت کے طور پر تسلیم کرنا چاہتے ہیں اور جب ہم بچوں کے اخلاقی اصولوں کو پختہ کرنے کے لیے انھیں دیومالائی کہانیاں سناتے ہیں تو انھیں اس قسم کی باتیں بتاتے ہیں؛ حالاں کہ ہم اپنے دل کے نہاں خانوں میں یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ زندگی اس قدر

25– David Gilmartin, "Partition, Pakistan, and South Asian History: In Search of a Narrative," *The Journal of Asian Studies* 57, no. 4 (1998): 1068–95; Paul K. Davis et al., "The Case of Al-Qa'ida," in *Understanding and Influencing Public Support for Insurgency and Terrorism* (Santa Monica, CA: RAND Corporation, 2012), 35–70; Muhammad Feyyaz, "Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative," *Journal of Strategic Security* 8, no. 1–2 (2015): 63–78.

26– Alex P Schmid, "Al-Qaeda's 'Single Narrative' and Attempts to Develop Counter- Narratives: The State of Knowledge," *International Center for Counter Terrorism- The Hague (ICCT)Research Paper*, January 2014, 3.

27– Corman, "Understanding the Role of Narrative in Extremist Strategic Communication", 36.

28– Ibid.

منصفانہ نہیں ہوتی، اور یہ کہ جرم بھی اکثر باعث منفعت ہوتا ہے، جب کہ زندگی کی دوڑ میں "اچھے لوگ" اکثر آخری نمبروں پر ہی آتے ہیں۔[۲۹]

جب کہ کورمن (Corman) ان تعریفوں کا تجزیہ کرتے ہوئے بیانیے کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"کہانیوں کا ایک ایسا نظام جس میں موضوعات، اشکال اور نقوش اولین کا اشتراک ہو۔"[۳۰]

عسکری ماہر ڈیوڈ کلکلن (David Kilcullen) نے بیانیے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بیانیہ "ایک سادہ، یک جا کرنے والی اور آسانی سے بیان کی جانے والی ایسی کہانی یا تعبیر ہے جو لوگوں کے تجربات کو ہم آہنگ کرے اور واقعات کو سمجھنے کے لیے ایک نظام مہیا کرے۔"[۳۱]

درج بالا آرا سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بیانیہ نہ صرف ایک مرکز سے متصل بہت ساری کہانیوں کا مجموعہ ہے بلکہ اس میں یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ بیانیے کے مخاطبین اس سے متأثر ہو کر اسے حقیقت سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور یہی حقیقت صحیح اور غلط کو ماپنے کی کسوٹی بن جاتی ہے۔

۲.۳- بیانیے کی ضرورت واہمیت

ہر قوم کے اپنے ہیرو ہوتے ہیں۔ اچھائی اور برائی کے معیارات ہوتے ہیں۔ ہر قوم اپنی تاریخ و ثقافت کے لیے ایک خاص بیانیہ اختیار کرتی ہے اور اسی کے ذریعے ہی آنے والی نسلوں کو اپنی تاریخ سکھاتی ہے۔ ہر قوم ماضی کے واقعات کا وہی رخ سامنے لاتی ہے جو ان کو پسند ہو اور جو ان کے مفادات کے تحفظ میں اہم کردار ادا کر سکے۔ اسی طرح ہر قوم کے کچھ آئیڈل تصورات ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں بھی امت کا تصور ایک ایسا ہی تصور ہے جو مسلمانوں کو نہ صرف ماضی سے منسلک رکھتا ہے بلکہ دور حاضر میں بھی مسلمان قوموں کو ایک دوسرے سے

29– Schmid, “Al-Qaeda’s ‘Single Narrative’ and Attempts to Develop Counter-Narratives": 3.

30– Corman, “Understanding the Role of Narrative in Extremist Strategic Communication”, 37.

31– Mark Laity, “Strategic Communications”, in A. AykutÖmcü, Troy Bucher and Osman Aytac, *Strategic Communications for Combating Terrorism* (Workshop Proceedings, Center of Excellence defence against Terrorism, 2010), 14. Another definition of “narrative’ has been offered by Steve Tatham: “A thematic and sequenced account that conveys meaning from authors to participants about specific events”, Steve Tatham, “Understanding Strategic communication: Toward a Definition”, in A. AyktÖmcü, et al, *Strategic Communications for Combating Terrorism*, 27.

منسلک رکھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے دہشت گرد تنظیمیں خاص طور پر القاعدہ وغیرہ امت کے تصورات اور اصطلاحات کے ذریعے سے اپنے بیانیے کو تقویت دیتے ہیں۔ وہ قرآن وسنت اور سیرۃ طیبہ ﷺ سے واقعات کو اپنے بیانیہ میں توڑ مروڑ کر اس طریقے سے بیان کرتے ہے جس سے ان کے اہداف حاصل ہو جائیں اور ساتھ ہی وہ اپنے آپ کو اسلام کی طرح مقدس ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اگر کسی نے ان پر اعتراض کیا تو یہ اسلام پر اعتراض ہو گا۔ بدقسمتی سے اس بیانیے کی تاثیر یہ ہے کہ مسلمان تو مسلمان یورپ کے مفکرین بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور وہ مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے القاعدہ کے تصور کے مطابق انھیں ایک گروہ کے طور پر سمجھتے ہیں اور ان کے اندر موجود تنوع اور وسطی فکر کے حاملین کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔[۳۲] یہی وہ بیانیے کا اثر ہے جو متبادل بیانیے کی ضرورت کی نشان دہی کرتا ہے۔[۳۳]

دور حاضر میں بیانیے کی حیثیت علم کے ایک آلے کی سی ہے۔ علم مختلف بیانات کا وہ مجموعہ ہوتا ہے جس کی بنیاد پر دوسری معلومات اور نظریات کو رد کیا جاتا ہے؛ یہی وہ کسوٹی ہوتی ہے جس کی بنیاد پر مختلف چیزوں اور افعال کو درست یا غلط قرار دیا جاتا ہے۔[۳۴] حسن وقبح کیا ہے؟ اور اس سے متعلق دوسرے تصورات کا علم بھی بیانیے کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ بیانیے کے ذریعے حاصل ہونے والا علم ہی نسلیاتی (Ethnological) اور بشریاتی (Anthropological) مفاہیم سے متعلقہ تصورات اور ادبی مواد کی بنیاد ہوتا ہے۔ بیانیہ علم کی

32– Schmid, "Al-Qaeda's 'Single Narrative' and Attempts to Develop Counter-Narratives" 04; Alison Pargeter, *The New Frontiers of Jihad: Radical Islam in Europe* (London: I.B. Tauris, 2008), 204; Reza Pankhurst, *The Inevitable Caliphate? A History of the Struggle for Global Islamic Union, 1924 to the Present* (London: Hurst, 2013).

۳۳– متبادل بیانیہ کے نام سے اردو میں بھی کتابیں تحریر ہونے لگی ہیں، اس ضمن میں دیکھیں: احمد بن یوسف احمد الدریویش، **متبادل بیانیہ: مسلمان، وسطیت اور عالم اسلامی** (اسلام آباد: اقبال انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ، ۲۰۱۹ء)، خورشید احمد ندیم، **متبادل بیانیہ: سماج، ریاست اور مذہب** (اسلام آباد: اقبال انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ، ۲۰۱۸ء)؛ سلیم صافی، **متبادل بیانیہ: داخلی وعلاقی سیکیورٹی اور بین الاقوامی تعلقات** (اسلام آباد: اقبال انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ، ۲۰۱۹ء)۔

34– Lucien Levy-Bruhl's thesis in *La Mentalite Primitive* (Paris: Alcan, 1922) [Eng. trans. Lillian Clare, Primitive Mentality (New York: Macmillan, 1923)]. ; Claude Levi-Strauss, La Pensees auvage (Paris: Plon, 1962) [Eng. trans. *The Savage Mind* (Chicago: University of Chicago, 1966)].

صورت مثالی صورت (Quintessential Form) ہے۔ بیانیے کی مختلف صورتیں ہمارے لیے روایتی علم سے کہیں زیادہ معلومات فراہم کرتی ہیں۔ [۳۵]

ہر علاقے میں کچھ تاریخی کہانیاں تاریخی حقائق کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کہانیوں کے ہیروز کی کام یابیاں اس معاشرے کی کام یابیاں سمجھی جاتی ہیں اور ان کی ناکامیاں اس معاشرے کی ناکامیاں سمجھی جاتی ہیں۔ یہ تاریخی کہانیاں اتنی باثر ہوتی ہیں کہ کئی سماجی ادارے ان کہانیوں سے متاثر ہوکر تشکیل پاتے ہیں۔ اچھائی، برائی، کام یابی اور ناکامی کے معیارات بھی انھی اداروں سے تشکیل پاتے ہیں اور مؤثر اساطیر (Legends) اور داستانیں (Tales) بھی انھی بیانیوں سے وجود میں آتی ہیں۔ سماجی رویوں، سیاسی حرکیات اور اقتصادی امکانیات کی تشکیل میں بھی ایسے ہی بیانیے اساسی کردار ادا کرتے ہیں۔ بیانیے ایک طرف سماج کو وہ ماحول فراہم کرتے ہیں جن میں کوئی بیانیہ مؤثر ہوتا ہے، تو دوسری طرف وہ معیارات بھی متعین کرتے ہیں جو اہلیت کے ہونے یا نہ ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔ [۳۶]

بیانیے کی ایک جہت علمی ہوتی ہے۔ کسی بھی معاشرے میں علم کے حوالے سے گفت گو (Discourse of Knowledge) بھی دراصل اس معاشرے کا بیانیہ ہی ہوتا ہے۔ ہمارے اردگرد کے ماحول اور ان حیوانات اور نباتات، جو ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں کا علم بھی بیانات سے ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح معاشرتی تعلقات اور رشتہ داروں کا علم بھی بیانیے سے ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح مختلف جنسوں کے درمیان فرق، معاشرے کے مختلف افراد جیسے بزرگ، بچے، خواتین، پڑوسی ملکی غیر ملکی، دوست، دشمن ان سب کا ذکر بھی بیانیے سے ہی ہوتا ہے۔ کسی معاشرے میں پوچھے جانے والے سوالات اور ان کے جوابات بھی متداول بیانیہ کا ہی حصہ ہوتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں متداول جملے بار بار تکرار کے نتیجے میں ایک جال کا حصہ بن کر اس معاشرے کا بیانیہ بن جاتے ہیں اور یہی بیانیہ اس معاشرے کے عمل اور ردعمل کا حصہ بن جاتا ہے۔ کسی میں معاشرے میں متداول جملے بیانیہ تشکیل دیتے ہیں اور بیانیے سے کسی بھی مسئلے کے بارے میں کسی ایک معاشرے کا اجتماعی، اکثریتی یا انفرادی نقطۂ نظر تشکیل پاتا ہے۔ [۳۷]

35– Jean-François Lyotard, *The Postmodern Condition: A Report on Knowledge*, trans. Geoff Bennington and Brian Massumi (Manchester: Manchester University Press, 1984), 10 : 18-20.

36– Ibid., 10:20.

37– Ibid., 10:21.

بیانیے کی ایک خاصیت معاشرے میں تبدیلی لانا بھی ہے۔بیانیہ تبدیل ہو تو یہ معاشرے کی سوچ، رویے اور عمل پر بھی اثر انداز ہوتا ہے کیوں کہ مؤثر بیانیہ کسی بھی معاشرے کے سوچ و عمل کے دھارے کو کنٹرول کرتا ہے۔ایسی تبدیلی مثبت بھی ہو سکتی ہے اور منفی بھی ہو سکتی ہے۔اس تبدیلی میں اصل بیانیہ تو تبدیل نہیں ہوتا، لیکن اس بیانیے کے نتائج کے ذریعے یا اصل حقائق جن پر بیانیہ منحصر ہوتا ہے، ان کی نئی تفسیر اور تعبیر کرکے بیانیے کی نئی جہتیں متعارف کروائی جاتی ہیں اور پھر اس کے ذریعے معاشرتی رویوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ (۳۸)

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بیانیے کے اثرات غیر معینہ مدت اور زمانے کے لیے نہیں ہوتے، اسی طرح ہر بیانیہ ہر علاقے پر یکساں اثر نہیں رکھتا بلکہ ہر بیانیہ زمان و مکان کا پابند ہوتا ہے۔زمان و مکان کے اثرات کے حوالے سے ہی بیانیہ اثر انداز ہوتا ہے۔ کبھی اس میں شاعری زیادہ اہم ہو جاتی ہے، کبھی نثر اور کبھی یہ دونوں بہت اہم ہوتے ہیں۔ (۳۹)

دوسرے معاشروں کی طرح بیانیہ پاکستانی معاشرے پر بھی اثر انداز ہوتا رہا اور ہماری سوچ و عمل کو تبدیل کرتا رہا۔ قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں انتہا پسندی تھی اور نہ تشدد تھا۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند کے بعد فسادات ہوئے، لیکن جلد ہی پاکستان نے استحکام حاصل کر لیا اور ایک جمہوری اور جدید دستوری ریاست کے طور پر سفر کا عزم کیا۔ دستور سازی میں تاخیر سے اگرچہ ملک کی سمت متعین کرنے میں تاخیر ہوئی، لیکن ۱۹۵۶ء کا دستور بنا تو کم و بیش یہ طے ہو گیا کہ پاکستان کیسی ریاست ہوگا؛ اس میں کس طرح کا نظام حکومت ہوگا۔ سیاسی عدم استحکام اور اسلوب حکومت کے جھگڑوں کے باوجود پاکستان نے ایک معتدل معاشرہ کے طور پر اپنا وجود برقرار رکھا۔ اگرچہ قیامِ پاکستان کے بعد یہ واضح تھا کہ اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر پاکستان ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل جدید کا مرکز ہوگا لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ بہ تدریج پاکستانی معاشرہ انتہا پسندی کی طرف مائل ہو جائے گا۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں افغان جہاد کے لیے پاکستان کو غیر ملکیوں کے لیے کھولا گیا تو وہ اپنے ساتھ اپنے نظریات اور بیانیہ بھی لائے۔ پاکستانیوں کی اسلام کے ساتھ عقیدت اور ایک ہی اساسی بیانیے کے حاملین ہونے کی وجہ سے انھوں نے پاکستانی معتدل بیانیے کی نئی انتہا پسندانہ اور فرقہ ورانہ تعبیر و تفسیر شروع کر دی جس کی وجہ سے انتہا پسندوں کو اپنے قدم جمانے کی نہ صرف جگہ مل گئی بلکہ انھوں نے پاکستانی معتدل بیانیے کو اپنے ہاتھ میں لے کر رواداری، باہمی احترام اور

38– Daniel Charles's analyses in *Le Temps de la voix* (Paris: Delarge, 1978)

39– Ibid.

برداشت کے جذبات پر مشتمل پاکستانی معاشرے کو انتہا پسندی، عدم رواداری اور تشدد کی طرف راغب کیا۔[۴۰] اس بنا پر یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی کہ پاکستان کے لیے نئے سرے سے ایسا بیانیہ ترتیب دیا جائے جو نہ صرف قرآن و سنت اور دستور پاکستان کے مطابق ہو بلکہ وہ معاشرے میں بڑھتے ہوئے تشدد اور انتہا پسندی کو بھی ختم کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو۔

بیانیے کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سننے والے نہ صرف اس بیانیے میں ہی بیان کیے گئے واقعات کو درست مانتے ہیں بلکہ وہ صرف انھی مخصوص الفاظ کو سننا چاہتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے کان ان الفاظ سے مانوس ہو چکے ہوتے ہیں اور ان کے دل ان الفاظ کی حقانیت پر پختہ یقین کر چکے ہوتے ہیں۔ بیانیے کی اہمیت اور طاقت کو ریاستوں سے زیادہ غیر ریاستی گروپ اور تنظیمیں استعمال کرتی ہیں۔ قومی ریاستیں عام طور پر دساتیر کی بنیاد پر چلتی ہیں اور ادارے مضبوط ہونے کی بنا پر مغربی اور ترقی یافتہ ممالک میں پالیسیوں کا ایک تسلسل ہے۔ اسی تسلسل کی وجہ سے وہاں اقتصادی خوش حالی ہے اور اس لیے گم راہ بیانیے زیادہ کام یابی حاصل نہیں کرتے۔ پھر ان ممالک میں عوام کی ضروریات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے اور ان کو گم راہ کن خیالات سے بچانے کے لیے رائے عامہ کو مناسب معلومات بھی فراہم کی جاتی ہیں۔

پاکستان جیسے ممالک جہاں پر نہ صرف ریاستی ادارے کم زور ہیں بلکہ ریاستی پالیسیوں میں تسلسل نہ ہونے کی بنا پر اقتصادی مسائل اور ناہمواریاں ہیں، سیاسی عدم استحکام اور معاشی ناانصافیوں کے علاوہ معاشرے میں سماجی انصاف اور سماجی شعور کی بھی کمی ہوتی ہے۔ ایسے میں ان گروہوں اور تنظیموں کے لیے حالات ساز گار ہو جاتے ہیں جو تزویراتی گہرائی میں جائے بغیر سادہ اور قابل فہم انداز میں ایسا بیانیہ پیش کرتے ہیں جو کہ بہ ظاہر بہت متاثر کن ہوتا ہے، لیکن حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی طریقہ دہشت گرد اور شر کی قوتیں استعمال کرتی ہیں؛ وہ اقتصادی مسائل اور سیاسی عدم استحکام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دین اسلام کی آفاقی تعلیمات اور دینی اصطلاحات کو

۴۰- پاکستانی معاشرے میں آنے والی کچھ تبدیلیاں معاصر محققین نے زیر بحث لائی ہیں۔ ان کی تفاصیل کے لیے دیکھیں:
Anatol Lieven, *Pakistan: A Hard Country* (New York: New Yok Public Affairs, 2011); Hassan Abbas, "Shiism and Sectarian Conflict in Pakistan," *Occasional Paper Series, Combating Terrorism Center at West Point, USA*, September 2010, 51; Abdul Basit, "Countering Violent Extremism: Evaluating Pakistan's Counter-Radicalization and De-Radicalization Initiatives," *IPRI Journal* XV, no. 02 (Summer 2015): 44–68; Syeda Beena Butool, "Pakistani Responses to AfPak Policy: Local Narratives and an Ending Global War?," *Asian Survey* 53, no. 6 (December 2013): 1005–36.

استعمال کرتے ہوئے نصوص کی من مانی تعبیرات کے ذریعے اپنا گم راہ کن بیانیہ تشکیل دیتے ہیں۔ وہ اپنی فکر کی ترویج کے لیے قرآن و سنت اور قرون وسطیٰ کی تعبیرات کو غلط تراجم اور مسخ شدہ مفاہیم کے ذریعے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، مقدس نصوص کی من مانی تعبیرات اور غلط تشریحات کے ذریعے وہ عام مسلمانوں خاص طور پر نوجوانوں کے دینی حمیت کے جذبات سے کھیلتے ہیں۔ اس طرح وہ نہ صرف معاشرے میں اپنے حمایتی پیدا کرتے ہیں بلکہ اپنی سرگرمیوں کے لیے افرادی قوت بھی جمع کر لیتے ہیں۔[۴۱]

انتہا پسند گروہ دینی نعروں کو استعمال کرتے ہوئے اپنے آپ کو معصوم اور خطاؤں سے پاک ثابت کرتے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی ان کے خلاف بات کرتا ہے تو وہ اس بات کو اسلام کے خلاف ثابت کر کے اپنے آپ کو معتبر اور اسلام کے علم بردار قرار دے دیتے ہیں۔ اپنے مفاہیم کو حاصل کرنے کے لیے وہ نصوص میں سے متفرق اجزا کو تعبیرات کے ذریعے اس طرح جوڑتے ہیں کہ ان کے موقف کی تائید ہو جائے۔ ان کے خیال میں اسلامی ریاست میں مسلمان اور غیر مسلم برابر نہیں ہو سکتے۔ ان کے خیال میں اسلام ایک نظریہ ہے اور جو اس نظریے پر یقین نہیں رکھتے، ان کے حقوق یقین رکھنے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔

دہشت گرد اور انتہا پسند ہر چیز کو مغربی سازش قرار دے کر اور مغرب کے خلاف نفرت ابھار کر اسلامی معاشروں میں نفرت انگیزی کو بڑھاتے ہیں۔ مزید برآں، وہ نصوص کی لغوی تعبیرات کے ذریعے انتہا پسندی کو بھی فروغ دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہر مغربی فکر اور خیال قابل نفرت ہے۔ اس طرح وہ مسلم معاشروں میں عملی فکر کی بجائے رد عمل کی فکر کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ ایسا ماحول جس میں جذباتیت ہو، دہشت گردوں کو بہت ساز گار حالات فراہم کر دیتا ہے۔ وہ عقل کے استعمال کو خطرناک قرار دیتے ہیں اور اللہ کی حاکمیت کے اسلامی تصور کو توڑ مروڑ کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ان جذباتی نوجوانوں کو، جو زیادہ گہرائی سے دینی امور کو نہیں جانتے، سطحی علم کے ذریعے ورغلانے میں کام یاب ہو جاتے ہیں۔ وہ عقلی استدلال کی تمام راہوں کو مسترد

۴۱- دیکھیے:

Zeyno Baran, "Countering Ideological Support for Terrorism in Europe: Muslim Brotherhood and Hizb ut-Tahrir – Allies or Enemies?", *Connections* 5, No. 3 (Winter 2006), 10 ; David Cook, "The Role of Islam as a Motivating Factor in Usama bin Ladin's Appeal within the Muslim World", in, *The McGraw-Hill Homeland Security Handbook,* ed. David G. Kamien (New York: McGraw-Hill, 2006), 37-51; Sudhanshu Sarangi and David Canter, "The Rhetorical Foundations of Militant Jihad", in *The Faces of Terrorism: Multidisciplinary Perspectives,* ed. David Canter (Chichester: Wiley-Blackwell, 2009), 35.

کرتے ہیں تاکہ ان کے پیروکار عقل اور سمجھ کو استعمال کر کے ان کے راستے سے جدا نہ ہو جائیں۔ ان کی جامد فکر کے نتیجے میں ایک ایسا فلسفۂ زندگی (World view) تشکیل پاتا ہے جس میں کسی اختلاف رائے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ہی ہم آہنگی اور شمولیت کی کوئی بات ہو سکتی ہے۔ وہ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کو دو انتہاؤں پر ثابت کرتے ہیں اور ایسی کسی رائے کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے جس میں برداشت اور رواداری کے ساتھ زندگی گزاری جا سکے۔

وہ تمام غیر مسلموں کو کافر سمجھتے ہیں اور تمام کفار ان کے نزدیک مباح الدم ہیں۔ مزید برآں، ان کی فکر میں وہ مسلمان جو ان کے ساتھ نہیں ہیں، وہ مسلمان نہیں منافق ہیں۔ وہ اپنے متشدد پیروکاروں کے سامنے عام مسلمانوں کو منافق ثابت کرتے ہیں اور ان کی رائے میں منافقین (ان مسلمانوں کو جو ان کے ساتھ نہیں) کو مارنا عین اسلامی ہے۔ بعض متشدد گروہ پاکستان میں اپنی کارروائیوں کے لیے پاکستان دشمن غیر مسلم طاقتوں سے بھی مدد لیتے ہیں اور جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ غیر مسلموں سے مدد لے کر آپ مسلمانوں کے خلاف کیوں استعمال کرتے ہیں، تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم کفار سے مدد لے کر منافقین کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔[۴۲]

دہشت گرد بیانیہ ایسے ماحول میں زیادہ پروان چڑھتا ہے جس میں نفرت انگیزی، فرقہ پرستی، تقسیم اور عدم برداشت ہو۔ اس قسم کی جذباتی فضا میں نہ صرف ان کے متشدد پیروکار ان کے لیے کام کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات سادہ لوح مسلمان بھی غیر شعوری طور پر دہشت گردوں کی اعانت اور مدد کا سبب بن جاتے ہیں۔ دہشت گردی اور تشدد کا بیانیہ جھوٹ اور سچ کا مغلوبہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے تمام مخالفین کو یا تو دہریے قرار دیتے ہیں یا پھر سیکولر اور اس طرح ان کے نزدیک انھیں مارنے میں کوئی حرج نہیں۔ دہشت گرد خوف کی فضا قائم کر کے اپنے لیے سہولتیں حاصل کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ ایسے کئی واقعات ہو چکے ہیں جن میں دہشت گردوں نے ڈرا دھمکا کر نہ صرف بھتہ وصول کیا بلکہ ناجائز سہولتیں بھی حاصل کی۔

دہشت گرد، خاص طور پر وہ جو غیر ملکی ہیں، ریاست پاکستان کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ وہ پاکستان کے متفقہ اور اسلامی دستور کو غیر اسلامی ثابت کرتے ہیں تاکہ عام پاکستانی بغاوت کر دیں اور پاکستان کا معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے۔ دہشت گردوں کی فکر کا ایک خاص ہدف دفاع اور امن و امان قائم کرنے والے ادارے ہیں۔ وہ ان اداروں پر نہ صرف جسمانی حملے کرتے ہیں بلکہ فکری حملے بھی کرتے ہیں۔ اپنے مذموم مقاصد کے لیے وہ نہ صرف انتہا پسندانہ فتوے استعمال کرتے ہیں بلکہ دینی تقریبات اور اجتماعات کو بھی استعمال کرتے

۴۲۔ یہ معلومات سیکیورٹی فورسز کے پاس موجود ہیں اور یہ ان دہشت گردوں سے حاصل ہوتی ہیں جو گرفتار ہوئے یا پھر انھوں نے دہشت گردانہ سرگرمیوں کو چھوڑ دیا۔

ہیں۔[۴۳] اس ساری صورت حال کا تقاضا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایسا قومی ضابطہ ٔ عمل مرتب کیا جائے جو نہ صرف قوم کی درست سمت کے لیے رہ نمائی کرے بلکہ اسلامی تعلیمات کی صحیح تعبیر بھی کرے۔ اس قسم کا ضابطہ ٔ عمل ہی قومی بیانیہ کہلایا جا سکتا ہے۔ ایسا بیانیہ قوم کی منزل عالی شان کی نشان دہی بھی کرے گا اور دہشت گردوں کی گم راہ فکر کا توڑ بھی کرے گا۔[۴۴] اس لیے **پیغام پاکستان** کے نام سے قومی بیانیہ تیار کیا گیا ہے۔

۳۔ بیانیے کی متفرق اقسام

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ بیانیے اور قوم کی سوچ و عمل میں گہرا تعلق ہے، اس لیے ہر شعبۂ حیات اور ریاستی امور میں فیصلوں کے لیے بیانیے کی بڑی حیثیت ہے۔ مختلف سماجی، معاشرتی، معاشی، عسکری اور حکومتی

---

۴۳ – تفصیل کے لیے دیکھیں:

Baran, "Countering Ideological Support for Terrorism in Europe", 10; Cook, "The Role of Islam as a Motivating Factor in Usama bin Ladin's Appeal within the Muslim World", 37-51; Sudhanshu Sarangi and Canter, "The Rhetorical Foundations of Militant Jihad", 35; Bouchra Oualla, "Strategies of Argumentation in the Propaganda of Jihad: The Analysis of a Jihadi YouTube Video", in, *Jihadism: Online Discourses and Representation,* ed. Rudiger Lohker (Vienna: University Press, 2013), 123-124; Paul Thomas, *Responding to the Threat of Violent Extremism: Failing to Prevent* (London: Bloomsbury Academic, 2012), 136. Abdullahi Ahmed An-Na'im, *Toward an Islamic Reformation: Civil Liberties, Human Rights, and International Law* (Syracuse: Syracuse University Press, 1990); Sayyid Qutb, *Milestones on the Road* (Indianapolis: American Trust Publications, 1991); Ahmad S.Mousalli, *Radical Islamic Fundamentalism: The Ideological and Political Discourse of Sayyid Qutb* (Syracuse: Syracuse University Press, 1993); Daryush Shayegan, *Cultural Schizophrenia: Islamic Societies Confronting the* West, trans. John Howe (London: Saqi Books, 1989); Malise Ruthven, *A Fury for God: The Islamist Attack on America* (London: Granta Books, 2002), 134–168; Louay M. Safi, *The Challenge of Modernity: The Quest for Authenticity in the Arab World* (Lanham, MD: University Press of America, 1994),153–193.;Timothy McDaniel, "The Strange Career of Radical Islam", in *Human Rights and Revolutions*, eds. Jeffery N. Wasserstrom, Lynn Aunt and and Marilyn B. Young (New York: Rowman & Little field, 2007), 211–229. 97 ; Abdul (Aziz Said, "Precepts and Practice of Human Rights in Islam", *Universal Hum*an *Rights*.1: 1 (Jan-Mar, 1979), 63.

۴۴– **دیکھیے: خورشید احمد ندیم، سماج ریاست اور مذہب: متبادل بیانیہ** (اسلام آباد: اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۸ء)، ۶۱– ۶۳۔

ضرورتوں کے لیے متنوع بیانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے ماہرین نے بیانیے کی مختلف اقسام کا ذکر کیا ہے۔ انھی اقسام میں سے بعض کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

۱.۳- اساسی بیانیہ (Master Narrative)

وہ اساسی بیانیہ جس سے دوسرے بیانیے جنم لیتے ہیں Master Narrative کہلاتا ہے۔ اساسی بیانیہ تقریباً عقائد کی طرح سچا سمجھا جاتا ہے اور تاریخی طور پر اس بیانیے کو ایک خاص ثقافت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ اساسی بیانیے کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے:

> (اساسی) بیانیہ باہم متعلق سلسلہ وار منظم کہانیوں کا ایک ایسا مربوط نظام ہے جس میں یہ جذباتی خواہش مشترک ہوتی ہے کہ معلوم ادبی یا بیانیہ ہیئت کی مناسبت سے مخاطبین کی توقعات کی استواری کے ذریعے تنازعات کے حل کی کوشش کی جائے۔ (۴۵)

بیانیے میں جو کہانیاں ترتیب دی جاتی ہیں ان کی نوعیت کے بارے میں کہا جاتا ہے:

> وہ کہانیاں جن پر یہ بیانیے مشتمل ہوتے ہیں، ان حقیقی واقعات سے متاثر ہوتی ہیں جن کی جڑیں ہدف زدہ ملک (Targeted Country) کی مقبول روایات اور علاقائی تاریخ میں ہوتی ہیں۔ کورمن کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ کسی بیانیے میں ہر کہانی کی بالکل ایک جیسی خاصیتیں ہوں، البتہ یہ کہانیاں ایک دوسرے سے اس طرح منسلک ہوتی ہیں کہ وہ مل کر ایک ایسی متحدہ اکائی بناتی ہیں جو اپنے اجزا کے مجموعے سے برتر ہوتی ہے۔ (۴۶)

بیانیے کی ان وضاحتوں کے بعد اساسی یا بنیادی بیانیہ یعنی Master Narrative کو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اس اساسی بیانیے کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے: ”اساسی بیانیہ تاریخ سے ماورا ایک ایسا بیانیہ ہوتا ہے جو کسی مخصوص ثقافت میں مضبوطی سے جما ہوا ہوتا ہے۔“ (۴۷)

اس تعریف کا یہ مطلب نہیں کہ بنیادی بیانیہ (Master Narrative) کوئی الہامی چیز ہے اور اپنے طور پر بن جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ بیانیہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے اور آخر کار ایک مخصوص ثقافت اور وقت میں بار بار اختیار کرنے کی وجہ سے اس کی حیثیت بنیاد کی سی بن جاتی ہے۔ یہ بیانیہ دوسرے بیانیوں سے متاثر ہونے

45– J. Halverson, S. Corman, and H. L. Goodall, *Master Narratives of Islamist Extremism*, (New York: Springer, 2011), 14.

46– Corman, "Countering Violent Extremism"; Feyyaz, "Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative," 65.

[47]Halverson, Corman, and Goodall, *Master Narratives of Islamist Extremism*, 14.

کی بجائے دوسرے بیانیوں کے لیے مصدر وماخذ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس بیانیے کا بنیادی ثقافت سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ یہ وہ ثقافت ہوتی ہے جیسے ایک انسانی گروہ متفقہ طور پر اختیار کرتا ہے اور اس سے اس گروہ کی مذہبی، لسانی اور علاقائی شناخت ہوتی ہے۔ دہشت گرد اور انتہا پسند عموماً انھی اساسی بیانیوں کو توڑ مروڑ کر ان بیانیوں کی اصطلاحات اور رموز کو استعمال کرتے ہوئے نہایت ہوشیاری سے اپنا بیانیہ تشکیل دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے اہداف حاصل کر سکیں۔ Master Narrative کو Grand Narrative بھی کہا جاتا ہے۔ یہ عظیم بیانیے عظیم مظاہر اور دینی عقائد کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں۔(۴۸)

۳.۲- اخلاقی بیانیہ (Ethical Narrative)

اس بیانیے کی اساس اور اس کے اہداف مخصوص اخلاق (Eithics) کو بیان کرنا اور ان کی تبلیغ کرنا ہوتے ہیں؛ اخلاقی بیانیہ نہ صرف مخصوص تصورات کی تشکیل میں مدد دیتا ہے بلکہ اس میں انسانی رویوں کے اسباب اور ان کے نتائج کو بھی اخلاقی تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ نیز خوشی اور غمی کو بھی اخلاقی رویوں کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے۔

پال ریکور (Paul Ricoeur) کے مطابق (اخلاقی) بیانیہ متنوع اجزا کا امتزاج ہوتا ہے، دوسرے لفظوں میں بیانیہ زمان و مکان میں منتشر اجزا کو کسی مربوط ترتیب میں جوڑ کر حقیقت کی نئی سرے سے وضاحت کی صلاحیت ہوتی ہے۔(۴۹)

اس قسم کے بیانیے کے نتائج کو شاعری کی صورت میں بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بیانیہ کافی اہم ہوتا ہے، لیکن اس کی اہمیت منطق اور عالمگیریت سے کم ہی ہوتی ہے۔ اس قسم کے بیانیے کو دہشت گرد کم ہی اپنے بیانیے کا حصہ بناتے ہیں تاہم اگر انھیں ان میں سے کچھ عناصر کو شامل کرکے اپنا بیانیہ مؤثر بنانا ہو تو وہ ایسا ضرور کرتے ہیں۔(۵۰)

۳.۳- قسطوں میں پیش کیا جانے والا بیانیہ (Episodic Narraitve)

یہ بیانیہ اصل میں قصے یا کہانیاں یعنی Stories ہوتی ہیں اور ان کہانیوں کو مختلف اجزا میں مختلف قسطوں

48– Ibid., 14–15

49– Richard Kearney and James Williams, "Narrative and Ethics," *Proceedings of the Aristotelian Society, Supplementary Volumes* 7 (1996): 29.

50– Ibid., 29–30; Howard Brody and Mark Clark, "Narrative Ethics: A Narrative," *Hastings Center Report* 44, no. s1 (January 2014): 26.

کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے بیانیے میں حقائق کو کہانیوں اور قصوں کے تناظر میں پیش کیا جاتا ہے۔ کہانیوں، قصوں اور بیانیے کا گہرا تعلق ہے؛ کیوں کہ کہانی کسی بھی بیانیے کی اساس ہوتی ہے۔ کہانی کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے:

کہانی باہم متعلقہ واقعات کا ایک خاص تسلسل ہوتی ہے جو ماضی میں واقع ہوتے ہیں اور ان کو اثر انگیزی اور نظریاتی مقاصد کے لیے بیان کیا جاتا ہے۔ واقعات مختلف اجزا سے تشکیل پاتے ہیں جن میں ایکٹر، زمان اور دیگر اشیا۔۔۔ شامل ہوتی ہیں، یہ اجزا ان افعال و واقعات کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں جو وقوع پذیر ہو رہے ہوتے ہیں۔ "کہانی" کی اصطلاح اکثر عام محاورے میں بہت سے ذرائع کے لیے استعمال ہوتی ہے جن میں سرکاری و غیر سرکاری اخباری کہانیاں، خاندانی کہانیاں، آن لائن پوسٹس اور بلاگز وغیرہ شامل ہیں۔ کہانیوں کا صدور مختلف النوع مقامات سے ہوتا ہے اور یہ مختلف مقاصد کو پورا کرتی ہیں، البتہ اپنی شناخت کے اعتبار سے ان میں ایک قدر مشترک ہے: باہم متعلقہ واقعات کا ایک تسلسل جو ماضی میں واقع ہوتے ہیں اور جن کو اثر انگیزی یا نظریاتی مقاصد کے لیے بیان کیا جاتا ہے۔[۵۱]

کہانی ہر بیانیے کا اہم ترین حصہ ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کہانی ہی بیانیہ بن جاتی ہے اور کہانی میں کوئی مخصوص کردار ایسے الفاظ ادا کرتا ہے جو مؤثر انداز میں بیانیے کو آگے بڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔

۳.۴- میٹا بیانیہ (Meta Narrative)

مابعد جدیدیت کے دور میں میٹا بیانیے سے مراد وہ بیانیہ ہے جس میں تجزیات اور معلومات کو تاریخی تناظر میں ان مخصوص نظریات کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے جن پر کسی معاشرے میں مجموعی طور پر اتفاق رائے ہوتا ہے۔[۵۲]

بعض محققین Master Narrative، Grand Narrative، اور Meta Narrative کو ایک ہی چیز شمار کرتے ہیں۔

میٹا بیانیے کے اغراض کی وضاحت کرتے ہوئے لیوتار کہتے ہیں:

بیانیے معاییرِ اہلیت طے کرتے ہیں یا اس بات کی توضیح کرتے ہیں کہ ان کا اطلاق کیسے کیا جا سکتا ہے۔ بیانیے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ کسی زیر بحث ثقافت میں کیا کہے جانے کا حق ہے اور کیا کام کیا جانا درست ہے اور چوں کہ بیانیے خود ایک ثقافت کا حصہ ہوتے ہیں، اس لیے وہ کسی ثقافت میں اپنے کردار سے ہی اپنے وجود کا جواز اخذ کرتے ہیں۔[۵۳]

51– Halverson, Corman, and Goodall, *Master Narratives of Islamist Extremism*, 13–14.

52– Lyotard, *The Postmodern Condition: A Report on Knowledge*, 18.

53– Ibid., 10:23.

میٹا بیانیہ وہ بیانیہ ہے جس کے ذریعے اقتدار، طاقت، اختیار اور سماجی روایات کی مشروعیت کو ثابت کیا جاتا ہے۔ اس بیانیے میں تاریخ میں درج واقعات کو ایک ایسی ترتیب سے پیش کیا جاتا ہے جو ایک مخصوص معنی دیتے ہیں۔ اس بیانیے میں عالمی طور پر تسلیم شدہ حقائق کو گواہی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے بیانیے کی مثالیں مارکسزم، مذہبی، ترقی پر یقین، عالمی دانش وغیرہ ہیں۔ عیسائیت کا دائمی گناہ کا تصور، روشن خیالی کے معاصر نظریات، مسلمانوں کے ہاں انبیا کے قصے، انبیا کے معجزے، قرآن پاک کی حقانیت وغیرہ بھی میٹا بیانیے میں آتے ہیں۔[۵۴]

۳.۵– فرقہ وارانہ بیانیہ

فرقہ وارانہ بیانیے میں تاریخی واقعات کی فرقہ وارانہ تشریح و تعبیر کی جاتی ہے۔ اس قسم کے بیانیے میں ہر فرقہ اپنی خواہش کے مطابق تاریخی واقعات کی وضاحت کرتا ہے۔ اس بیانیے کے ذریعے معاشروں کو نہ صرف کم زور کیا جاتا ہے بلکہ اس کے ذریعے انھیں تقسیم در تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ فرقہ وارانہ بیانیوں کو دہشت گرد گروہ اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بعض اوقات حکومتیں بھی اس بیانیے کو پھیلاتی ہیں تاکہ مقبوضہ علاقوں کو وہ بہتر کنٹرول کر سکیں۔ پاکستان میں قتل وغارت اور خود کش بمباروں کی تیاری کے لیے شیعہ مخالف فرقہ وارانہ بیانیہ پوری شدت سے استعمال کیا گیا۔ اسی طرح امریکہ نے عراق کو فرقہ وارانہ بنیادوں پر نہ صرف تقسیم کیا بلکہ فرقہ ورانہ بیانیے کو مضبوط بھی کیا۔[۵۵]

۴– قومی بیانیہ تصور و خصائص

۴.۱– قومی بیانیے کا تصور

قومی بیانیے سے مراد کسی ایک قوم کا وہ متحد بیانیہ ہے جس میں مخصوص قومی اہداف کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا ضابطہ ٔ عمل دیا جاتا ہے جو اس قوم کی تاریخ سے منتخب کیا جاتا ہے۔ یہ بیانیہ نہ صرف قوم کے روشن مستقبل

54– John Stephens and Robyn McCallum, *Retelling Stories, Framing Culture: Traditional Story and Metanarratives in Children's Literature* (New York: Garland Publishing, 1998) ; Hans Bertens, *The Idea of the Postmodern: A History* (London: Routledge, 1995), 124.

55– Ahmar, "Sectarian Conflict in Pakistan: Some Lessens from IRIS Experience"; Abbas, "Shiism and Sectarian Conflict in Pakistan"; Azmi Bishara, "Ta'ifah, Sect and Sectarianism: From the Word and Its Changing Implications to the Analytical Sociological Term," *AlMuntaqa* 1, no. 2 (2018): 53.

کی نشان دہی کرتا ہے بلکہ قوم کو ان اہداف کی تکمیل میں مدد بھی دیتا ہے جن کے لیے اس قوم اور ملک کی تشکیل ہوتی ہے۔ قومی بیانیہ قومی تشکیل نو اور عملی یک جہتی کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔ اس کی مدد سے نہ صرف اختلافات پر قابو پایا جاتا ہے بلکہ قوم کو ایک اجتماعی شناخت بھی ملتی ہے۔ اسی بیانیے کے ذریعے مختلف قومیتوں، ثقافتوں اور علاقائی رسم و رواج کو ایک وسیع تر قومی تہذیب کا حصہ بنایا جاتا ہے۔[۵۶]

جدید ریاستیں، جو کہ قومیت پر مبنی ہیں، ان کے لیے ایسے بیانیے کی تشکیل بہت ضروری ہے جو اس قوم کی تاریخ کو حال سے مستقبل کی طرف لے جائے۔ جیسا کہ ماہرین کہتے ہیں کہ "کسی قوم کی اصل، اس کے ماضی اور اس کے ارتقا کی روداد بتانا قوم سازی (Nation Building) کے عمل میں انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ اس قسم کی روداد ایک قومی ریاست (Nation State) کی اصالت و جواز کے دعووں اور حد بندی کی توجیہ پیش کرتی ہے۔ یہ روداد کسی بھی معاشرے کی قومی خصوصیات کی منطقی بنیاد بھی فراہم کرتی ہے۔"[۵۷]

کسی بھی قومی بیانیے میں قومی سوچ و عمل، قومی ترجیحات، قومی رویے اور قومی رسم و رواج کی حیثیت بنیادی ستون کی ہوتی ہے۔ اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ قومیں مصنوعی ہوتی ہیں اور نہ ہی خیالی ہوتی ہیں بلکہ تاریخی روایات اور رسوم و رواج کا نتیجہ ہوتی ہیں:

> قومیں محض ذہن کی اختراع نہیں ہوتیں بلکہ وہ ان تاریخی اور ادارہ جاتی اعمال سے عبارت ہوتی ہیں جن کے ذریعے معاشرتی تنوع تخلیق اور انجام پاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرتی نزاعات کے ذریعے، جو اکثر پر تشدد اور ہمیشہ جنس پر مبنی ہوتے ہیں، قوم پرستی اساسی طور پر لوگوں کی شناخت ترتیب دینے کا کام کر رہی ہوتی ہے۔[۵۸]

بڑھتی ہوئی دہشت گردی کے مسائل کو حل کرنے کے لیے حکومت پاکستان نے ۲۰۱۴ء میں قومی

56– Arash Abizadeh, "Historical Truth, National Myths, and Liberal Democracy", *Journal of Political Philosophy*, 12: 3 (2004), 291–313; Lars Bo Kaspersen, *Classical and Modern Social Theory* (Malden, Mass.: Blackwell.,2000); Loring M. Danforth, *The Macedonian Conflict: Ethnic Nationalism in a Transnational World* (Princeton, N.J.: Princeton University Press, 1995), 15.

57– Benedict Anderson, *Imagined Communitie: Reflections on the Origin and Spread of Nationalism* (London: Verso, 1992) ; Eric J Hobsbawm, *Nations and Nationalism Since 1780: Programme, Myth, Reality* (Cambridge: Cambridge University Press,1992).

58– Anne McClintock, "Family Feuds: Gender, Nationalism and the Family," *Feminist Review*, 44 (1993).

سیکورٹی پالیسی بنائی۔ اس قومی پالیسی میں بتایا گیا کہ دہشت گردی کا فکری مقابلہ کرنے کے لیے قومی بیانیہ ضروری ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعے تشدد پسندی اور فرقہ پرستی کی تمام صورتوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان کی قومی سیکیورٹی پالیسی میں قومی بیانیے کی ضرورت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا:

> شدت پسندی، فرقہ پرستی، دہشت گردی اور جارحیت کے ضمن میں ایک مضبوط قومی بیانیے کی تشکیل غیر روایتی خطرات کے خلاف ایک نظریاتی رد عمل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اس قسم کا بیانیہ ایک متنوع معاشرے کو مشترکہ نظریاتی خصوصیات مہیا کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔ علما، دانش ور، تعلیمی ادارے اور میڈیا قومی بیانیے کی تشکیل اور نشر و اشاعت کے مرکزی ساجھے دار (Stakeholders) ہیں۔[۵۹]

پاکستان کی قومی داخلی پالیسی ۲۰۱۴ء- ۲۰۱۸ء میں جس قسم کے قومی بیانیے کی ضرورت پر ضرور دیا گیا ہے وہ نہ صرف ایک تزویراتی بیانیہ (Strategic Narrative) ہے بلکہ یہ متبادل بیانیہ (Alternative Narrative) اور انسدادی بیانیہ (Counter Narrative) بھی ہونا چاہیے۔

۲.۴-تزویراتی بیانیہ (Strategic Narrative)

تزویراتی بیانیے سے مراد ایسا بیانیہ ہے جو نہ صرف مخاطبین کو ریاست کے تزویراتی اہداف سے آگاہ کرے بلکہ ان کے تحفظ کے لیے خدمات دینے کے لیے آمادہ کرے۔ تزویراتی بیانیے کا تعلق اس بنیادی نظریے سے بھی ہوتا ہے جس پر کوئی ریاست یا اس کا دستور مبنی ہو۔ یہ بیانیہ عموماً نظریہ (Theory)، روایت (Tradition) اور فہم عامہ (Common Sense) کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ڈیوڈ بٹیز (David Betz) اور این سوینڈلر (Ann Swindler) نے کافی وضاحتی کام کیا۔ ان کے کام کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک مؤلف لکھتا ہے:

> اساسی بیانیے کس لحاظ سے مؤثر ہوتے ہیں؟ این سوینڈلر کے ثقافتی شعور کے مسلسلے (Continuum) کو استعمال کرتے ہوئے ڈیوڈ بیٹز اس سوال کا جواب دیتا ہے۔ سوینڈلر "نظریے" کو "روایت" اور "فہم عامہ" سے جوڑتی ہے۔ بیٹز سوینڈلر کے "نظریے" کا موازنہ ثقافتی معادیاتی بیانیے اور "فہم عامہ" کا موازنہ مقامی بیانیوں سے کرتا ہے۔"[۶۰]

تزویراتی بیانیے میں بہت احتیاط کے ساتھ قوم کو ایک تو تاریخی روایت سے جوڑا جاتا ہے اور دوسرا ایسی اصطلاحات سے بات سمجھائی جاتی ہے جو عمومی سمجھ بوجھ کے قریب تر ہوں۔[۶۱] تزویراتی بیانیہ نہ صرف مخاطبین

59– *National Internal Security Policy -2014* - 18 (Islamabad, Pakistan: Ministry of Interior, Government of Pakistan, 2014-2018), 07.

60– Halverson, Corman, and Goodall, *Master Narratives of Islamist Extremism*, 180.

61– David Betz, "The Virtual Dimension of Contemporary Insurgency and Counterinsurgency," *Small Wars and Insurgencies*, 19: 4 (December 2008): 510–

کے افکار و افعال پر اثر انداز ہوتا ہے، بلکہ وہ جذبہ بھی دیتا ہے جو انھیں بتاتا ہے کہ اگر انھوں نے بیانیے کے مطابق عمل کیا تو انھیں جزا ملے گی اور اگر وہ بیانیے کے مخالف جائیں گے تو ان کا نقصان ہو گا۔(۶۲)

تشدد پسند اور انتہا پسند بھی تزویراتی اہداف کے حصول کے لیے اپنا بیانیہ ترتیب دیتے ہیں۔ ان کے پاس تلخ اور پیچیدہ ریاستی مسائل کا بہ ظاہر سادہ مگر غیر حقیقی حل ہوتا ہے۔ اسی حل کو تجویز کرتے ہوئے وہ نوجوانوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں اور جذباتی نعروں (The Rhetorical Act) کے ذریعے ان کا فکری استحصال بھی کرتے ہیں۔ تزویراتی بیانیے کے اسلوب استعمال کے متعلق ڈیوڈ پولکنگ ہورن (Donald E. Polkinghorne) کہتے ہیں:

"لوگ (دہشت گرد) خود کو کہانیوں کی شکل میں قیاس کرتے ہیں۔ ان کی ذاتی کہانیاں ہمیشہ ان عمومی کہانیوں کی ہی ایک شکل ہوتی ہیں جن میں یہ بتایا جاتا ہے کہ زندگی کیسے آگے بڑھتی ہے۔ جب بیانیہ اپنی شکل اختیار کرتا ہے تو یہ کہانیاں کسی کی ذاتی زندگی سے اخذ کردہ واقعات کو ایک مربوط شکل میں ڈھالتی اور بنیادی موضوع کا حصہ بنا دیتی ہیں؛ انسان کا مستقبل کہانی کے ایک تسلسل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جو ہنوز نامکمل ہے۔"(۶۳)

کسی بھی ریاست کے لیے جو قومی تزویراتی بیانیہ تیار کیا جائے وہ نہ صرف دہشت گردوں کے اسالیب کے لیے انسدادی نوعیت کا ہو بلکہ وہ ریاست کے اہداف کا نگران بھی ہونا چاہیے۔

۴.۳- متبادل بیانیہ (Alternative Narrative)

قومی بیانیے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تشدد اور انتہا پسندی کے بیانیے کا رد کرے، اس لیے قومی بیانیہ نہ صرف قومی اور تزویراتی ہونا چاہیے بلکہ وہ ایسا متبادل بیانیہ بھی ہو جو معاشرے کے تمام طبقات، خاص طور پر نوجوانوں کے اذہان پر مثبت اثر ڈالے۔ متبادل کے قومی بیانیے کا ہدف وہ لوگ ہوتے ہیں جو شدت پسندوں کے ہمدرد ہوں، ان کے افعال کو درست سمجھتے ہوں اور ان کی فکر سے متاثر ہوں، اگرچہ عملی طور پر وہ ان کی کارروائیوں میں شریک نہ ہوں۔ معاشرے کا یہ تشدد پسند طبقہ جس میں دہشت پسندی کے امکانات ہوتے ہیں متبادل بیانیے کے ذریعے قومی دھارے میں شامل ہوتا ہے اور تشدد پسندی سے دور ہوتا ہے اور پھر بتدریج صلح جو ہم آہنگی کا رویہ اختیار کر سکتا ہے۔ اس بنا پر متبادل بیانیے کا ہونا نہ صرف ضروری ہے بلکہ بہت مفید بھی ہے۔ متبادل بیانیہ ضروری

540; Ann Swindler, "Culture in Action: Symbols and Strategies," *American Sociological Review*, 51:2 (April 1986): 273–286.

62– Betz, "Virtual Dimension", 520.

63– Donald E. Polkinghorne, *Narrative Knowing and the Human Sciences* (Albany, NY: State University of New York Press, 1988), 107.

نہیں کہ حکومت کی طرف سے ہو لیکن اس بیانیے کی ترویج اور تاثر میں حکومتوں کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ متبادل بیانیہ اسی صورت میں مؤثر ہو سکتا ہے جب اسے ایک مؤثر حکومت کی مؤثر حمایت حاصل ہو۔ اس کی کئی مثالیں جدید عالم اسلامی میں موجود ہیں کہ بہت سے علاقوں میں مؤثر حکومت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی مؤثر متبادل بیانیہ موجود نہیں ہے۔ لیبیا، یمن، عراق اور شام کے شورش زدہ علاقوں میں کوئی مستحکم حکومت نہ ہونے کی وجہ سے متبادل بیانیہ متعارف ہی نہیں ہو سکتا۔[۶۴]

متبادل بیانیے کے حوالے سے حکومت کے تین بنیادی کردار ہیں:

۱۔ سول سوسائٹی کی بیانیے کی تیاری اور اشاعت میں مدد کرنا اور متبادل بیانیے کی اشاعت کی مہم میں آسانیاں فراہم کرنا۔

۲۔ حکومتی پالیسیوں کو متبادل بیانیے کے مطابق بنانا۔

۳۔ حکومتی بیانات اور اعلانات کے ذریعے متبادل بیانیے کی تائید کرنا۔

متبادل بیانیے کی کئی مثالیں ہیں؛ کئی متبادل بیانیے براہ راست حکومتوں کی طرف سے آئے اور کئی بیانیے مختلف سماجی گروہوں نے تشکیل دیے جب کہ حکومت نے ان کی مدد کی۔[۶۵]

عموماً حکومتیں دہشت گردوں کے خلاف فوجی کارروائی اور ان کے ٹھکانوں کو تو تباہ کرتی ہیں لیکن دہشت گردی کی فکر توڑنے کے لیے نہ تو فکری جدوجہد کی جاتی ہے اور نہ ہی اس ضمن میں ضروری بجٹ فراہم کیا جاتا ہے حالاں کہ تھوڑی سی توجہ اور تحقیق کے نتیجے میں آسانی کے ساتھ دہشت گردوں کی شدت پسند سوچ کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ متبادلہ بیانیے کی تیاری دراصل Hard Power سے Soft Power کی طرف منتقلی ہے اور Soft Power یعنی متبادل بیانیے کی تیاری کی فکری جدوجہد نہ صرف کم خرچ ہے بلکہ بہت زیادہ مؤثر بھی ہوتی ہے۔ قومی ریاستوں کے برعکس دہشت گردوں کے پاس اسلحہ اور جدید مشینری کی کمی ہوتی ہے اس لیے ان کا سب سے بڑا ہتھیار بیانیہ ہی ہوتا ہے۔ اگر مؤثر متبادل بیانیے کے ذریعے شدت پسندی کا مقابلہ کیا جائے تو اس ضمن میں خاطر خواہ نتائج سامنے آ سکتے ہیں۔ القاعدہ کی فکر اور اس کے اثرات کا مطالعہ کرنے والے محققین کہتے ہیں:

لوگ کسی دہشت گرد گروہ سے اس لیے ہمدردی رکھتے ہیں کیوں کہ وہ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ ان کا مقصد برحق

64– *Countering the Narratives of Violent Extremism:The Counter Narrative Study* (Doha: The Qatar International Academy for Security Studies, 2013).

65– *Rachel Briggs and Sebastien Feve, Review of Programs to Counter Narratives of Violent Extremism (Institute for Strategic Dialogue, 2013) 11–12.*

ہے؛اس مقصد کے حصول کے لیے کوئی اور ذرائع نہیں اور یہ کہ وہ دہشت گرد گروہ برائی سے زیادہ اچھائی کی قوت ہے۔ ان میں سے کسی بھی مفروضے کو تبدیل کر دیں تو اس ہم دردی میں کمی واقع ہو جائے گی۔۔۔ ان مفروضوں کو تبدیل کرنے کے بہت سے آسان اور مشکل طریقے ہیں: دہشت گرد گروہ کو اپنی بنیادیں خود کھوکھلی کرنے دیجیے؛ گروہ کے پیغام اور عمل کے درمیان تضاد کی نشان دہی کیجیے؛ اس امر کو یقینی بنائیے کہ دہشت گرد گروہ کا پیغام لوگوں تک نہ پہنچ سکے۔۔۔؛ دہشت گرد گروہ کے ہدف کے حوالے سے ایسی مثبت معلومات فراہم کریں جو اس گروہ کے اپنے ہدف کے حوالے سے پیغام کی تردید کریں۔۔۔ اور سب سے مشکل طریقہ یہ ہے کہ ان بنیادی مسائل کا حل تلاش کیا جائے جن کی وجہ سے لوگ دہشت گرد گروہوں سے ہم دردی رکھتے ہیں۔[۶۶]

متبادل بیانیے کی کوئی مخصوص صورت یا شکل نہیں ہوتی، اس کی کئی جہتیں اور کئی اسالیب ہو سکتے ہیں۔ اس میں زندگی کے مختلف طبقات کی شمولیت اور مؤثر حصہ داری اہم عنصر ہے جس کے بغیر متبادل بیانیے کی سماج میں جڑیں مضبوط نہیں ہو سکتیں۔

۴.۴– انسدادی بیانیہ(Counter Narrative)

قومی بیانیے کو انسدادی بیانیے کی حیثیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ انسدادی بیانیہ یا Counter Narrative سے مراد ایسا بیانیہ ہے جو کہ کسی پہلے سے موجود بیانیے کا رد کرے؛ اس بیانیے کی کم زوریوں اور غلطیوں کی نشان دہی کرے اور اس کو ختم کرنے یا اس کے اثرات کو محدود کرنے کے لیے مؤثر وسیلہ ہو۔ اس بیانیے میں نہ صرف تزویراتی اور متبادل بیانیے کی خصوصیات ہونی چاہیں بلکہ اور اس میں یہ صلاحیت بھی ہو کہ یہ کسی دوسرے بیانیے کو رد کرتے ہوئے اس کی جگہ لے سکے۔ اس کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے:

متبادل بیانیے (Counter-Narrative) کی اصطلاح عموماً دہشت گردوں کے دعووں اور بیانیوں کے رد کے حوالے سے استعمال کی جاتی ہے۔ اس میں وہ مثبت، متبادل بیانیے شامل ہو سکتے ہیں جو پر تشدد انتہا پسندی کی مخالف اقدار کو تقویت دیں۔ اس کے علاوہ اس میں وہ ہدف بند دعوے بھی شامل ہو سکتے ہیں جو (مزعومہ) حقائق اور مذہبی اور نظریاتی

66– Will McCants and Clinton Watts, *U.S. Strategy for Countering Violent Extremism*: An Assessment (Philadelphia: Foreign Policy Research Institute, December 2012),2.; Schmid, “Al-Qaeda’s ‘Single Narrative’ and Attempts to Develop Counter- Narratives,” 29.

دلائل سے بحث کریں۔[۶۷]

انسدادی بیانیے یا مخالف بیانیہ کی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں: اس کی پہلی قسم متبادل بیانیہ یا ایجابی بیانیہ (Positive Narrative) ہے۔ اس قسم کے بیانیے میں شدت پسندوں کے بیانیے اور ان کے اٹھائے گئے سوالات کا جواب دیا جاتا ہے لیکن یہ بیانیہ صرف انھی نکات تک محدود نہیں ہوتا بلکہ وہ بہ ذات خود ایک مؤثر اور جامع بیانیے کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ اسی طرح کی حیثیت تزویراتی بیانیے کی بھی ہوتی ہے۔ اخلاقی انسدادی بیانیہ (Ethical Counter Narrative) بھی انسدادی بیانیے کی ہی ایک صورت ہے۔ یہ بیانیہ تشدد اور انتہا پسندی کو اخلاقی اصولوں سے کم تر قرار دے کر مخاطبین کو متاثر کرتا ہے یہ بیانیہ ضروری نہیں کہ مذہبی ہو، لیکن یہ انسانی ضرورت ہے اور اس میں ان تمام انسانی پہلوؤں کی نشان دہی کی جاتی ہے جو مختلف تہذیبوں کے درمیان مشترکہ ہوتے ہیں۔ جوابی یا انسدادی بیانیہ، مذہبی یا نظریاتی بیانیہ (Ideological and Religious Narrative) بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بیانیہ مذہبی بنیادوں پر ترتیب دیے گئے دہشت گردی کے بیانیے کے رد کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ انسدادی بیانیے میں تدبیراتی انسدادی بیانیہ (Tactical Counter Narrative) بھی شامل ہے۔[۶۸]

قومی بیانیے اور اس کی انواع سے متعلقہ تصورات کے ذکر سے وہ بنیادی حقائق واضح ہوتے ہیں جن کی اساس پر قومی بیانیہ تشکیل دیا جانا چاہیے؛ مزید برآں ان تصورات کی بنا پر قومی بیانیے کی تیاری کے لیے لائحۂ عمل تیار کیا جاسکتا ہے۔

67– Sara Zeiger, *Counter-Narratives for Countering Violent Extremism* (CVE) In South East Asia" (Hedayah: The International Center of Excellence for Countering Violent Extremism, May 2016), 1.

68– "Developing Effective Counter-Narrative Frameworks for Countering Violent Extremism" (Hague: International Centre for Counter-Terrorism and Hedayah, September 2014), 2; Zeiger, "Counter-Narratives for Countering Violent Extremism (CVE) in South East Asia"; "Countering the Narratives of Violent Extremism:The Counter Narrative Study"; Schmid, "Al-Qaeda's 'Single Narrative' and Attempts to Develop Counter- Narratives: The State of Knowledge."

۵- پاکستان کے قومی بیانیے کے لیے لائحۂ عمل

۵.۱- قومی بیانیے کی تیاری کا پس منظر

کوئی بھی قومی بیانیہ اسی وقت مؤثر ہو سکتا ہے جب اس کی ضرورت و اہمیت، مخاطبین اور پس منظر کو مد نظر رکھتے ہوئے گہرے غور و فکر کے بعد اس کے مقاصد کا تعین کیا جائے۔

اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے لیے قومی بیانیے کے لیے ضروری ہے کہ گہرے غور و فکر سے اس کے لیے مقاصد کا تعین کیا جائے۔ بیانیے کے مقاصد کے تعین کے بعد قومی بیانیے کے متوقع اثرات کا انھی مقاصد کی روشنی میں جائزہ لینا ضروری ہے۔ ان مقاصد کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے کہ پاکستان کے دستور کے اثرات کو قرارداد مقاصد کی روشنی میں جانچا جاتا ہے۔ قیام پاکستان کی تجویز دینے والوں اور پاکستان کے ابتدائی سالوں میں بانیان پاکستان کو یہ احساس تھا کہ پاکستان کو فکر اسلامی کی تشکیل جدید کے مرکز کے طور پر ایک جدید اسلامی جمہوری ریاست بنایا جائے، اس لیے انھوں نے نہ صرف تشکیل جدید (Reconstruction) کا تصور پیش کیا بلکہ اس کی تعمیر کے لیے لائحۂ عمل بھی دیا۔[۶۹]

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کا نظریۂ حیات حرکی (Dynamic) ہے کیوں کہ یہ کائنات، معاشرے اور ثقافت میں تغیر اور تبدیلی کو اہمیت دیتا ہے۔ اس لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں تغیر پذیر حال کو ماضی کی روشنی میں مستقبل کے لیے از سر نو تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔[۷۰] قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں یہ فکر قومی پالیسی کا حصہ رہی، لیکن افغانستان پر روسی قبضے کے بعد روس کے خلاف مزاحمت کو مضبوط کرنے کے لیے جہادی فکر کو پھیلایا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تشکیل جدید (Reconstruction) کی حکمت عملی پر محدودیت کا بیانیہ (Reductionist Discourse) غالب آ گیا۔ اس سوچ نے نہ صرف تنگ نظری کو فروغ دیا بلکہ تنوع اور شمولیت کو بھی رد کر دیا۔ اس کا نتیجہ اس انتہا پسندی، دہشت گردی اور فرقہ پرستی کی صورت میں سامنے آیا۔ جس کا آج پاکستان کو سامنا ہے نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں جگہ جگہ سازش اور سازشی نظریات کو حقیقت سمجھا جاتا ہے۔ زندگی کے ہر پہلو پر عمومی سوچ حقائق کی بجائے ان تصورات پر مبنی ہے جن میں زیادہ تر کا حقیقت سے کوئی

69– Muhammad Iqbal, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* (Lahore: Iqbal Academy, 2015), 116.

۷۰– مزید دیکھیے: محمد ضیاء الحق، ”ادارہ تحقیقات اسلامی: تاریخ، اہداف اور خدمات“، ۵۲۔

تعلق نہیں ہے۔ اگرچہ پاکستان نے تاریخی طور پر ریاست کو درپیش کئی چیلنجز کا بھرپور مقابلہ کیا ہے، لیکن اس چیز کو تسلیم کیے بغیر بھی چارہ نہیں کہ پاکستانی معاشرے میں ثقافتی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی ہم آہنگی نہیں ہے۔ اس اختلافی صورت حال نے پاکستانی معاشرے میں کئی ایسے مذہبی، سیاسی اور معاشرتی رویے تشکیل دیے ہیں جو نہ صرف ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ بعض صورتوں میں ایک دوسرے کے بالمقابل بھی ہیں۔[۷۱] پاکستانی معاشرے کے رویے آزاد خیالی، تنگ نظری، میانہ روی، روایتی اور غیر روایتی، جدیدیت، قدامت پسندی، مذہبیت، شدت پسندی، انتہا پسندی اور سیکولرازم وغیرہ جیسے متضاد رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اگرچہ پاکستان کی ثقافتی اکائیاں پاکستانی جغرافیائی وحدت سے مستنبط ہیں، لیکن اس ثقافتی تنوع کو متحد قوم کی شناخت کی حیثیت اختیار کرنا ابھی باقی ہے۔[۷۲] پاکستان کے سیاسی کلچر میں ذاتی تجزیہ، عقل و دانش اور دلیل سے کم ہی کام لیا جاتا ہے۔ زیادہ تر سیاسی بیانات غیر حقیقی الزامات، حقائق کے منافی اور ردعمل پر منحصر ہوتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کا رویہ غیر سنجیدہ اور وقتی جذباتیت پر مبنی ہوتا ہے جو کہ گہری سوچ اور تحقیقی مطالعے سے مطابقت نہیں رکھتا۔ پاکستان کے تعلیمی نصاب میں جو کتابیں پڑھائی جارہی ہیں وہ مخصوص معلومات تو دیتی ہیں لیکن تنقیدی فکر پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اس صورت حال میں جہاد، انتہا پسندی، دہشت گردی اور تشدد کے حوالے سے حقیقت پسندانہ سوچ کی بجائے ایک ایسی مثالیت Idealism کا دور دورہ ہے جس میں معجزات کا انتظار ہے اور ایسی کہانیوں پر یقین رکھا جاتا ہے جن کا حقائق سے کوئی واسطہ نہیں۔ گفت گو اور انداز فکر کا وہ رویہ جس میں تفکر و تدبر اور گہرے تجزیے کے بعد ایسے اقدامات پر زور ہو جن سے بہتر ترقی اور خوشحالی کے راستے وا ہو سکیں، مفقود ہے۔ پاکستان میں مذہبی انداز فکر ریاستی امور پر بھی نظر انداز ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی عمومی اسلامی فکر کی بجائے گروہی اور مسلکی فکر زیادہ غالب ہے۔ اس صورت حال کو غیر ملکی مداخلت نے زیادہ گھمبیر کر دیا ہے۔ سخت گیر متکبرانہ سوچ میں ساری دنیا پر غالب آنے کا نعرہ تو موجود ہے لیکن حقائق کا ادراک کرتے ہوئے اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے مسائل اور مشکلات کا حل تلاش کرنے کی جستجو حکم رانوں، سیاست دانوں، مذہبی رہ نماؤں اور پالیسی سازوں کے ہاں مفقود ہے۔ تحقیقی اور تعلیمی اداروں میں بھی نئی فکر کے دریچے وا کرنے کی بجائے معاشرے کی تقلیدی فکر

71– Anatol Lieven, *Pakistan: A Hard Country*, 21–22.

72– Farzana Shaikh, *Making Sense of Pakistan* (New York: Columbia University Press, 2009), 2–3; Muhammad Feyyaz, "The Discourse and Study of Terrorism in Decolonised States: The Case of Pakistan," *Critical Studies on Terrorism* 9, no. 3 (September 2016): 3.

کی پیروی میں ہی سلامتی سمجھتی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ تعلیمی ادارے محققین کی بجائے سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے ایسے کارکن پیدا کرنے کا سبب بن رہے ہیں جن کی سوچ سطحی اور اپروچ غیر منطقی اور فرقہ ورانہ ہے۔ (۷۳)

اس صورت حال کا سبب یہ تھا کہ ریاست نے کوئی منطقی، تزویراتی اور طویل المدتی بیانیہ بنایا اور نہ ہی اس کے مطابق پالیسی سازی کی طرف توجہ کی۔ قومی بیانیے کی عدم موجودگی کی وجہ سے تعلیمی اور تحقیقی اداروں سے غلط تصورات اور غیر منطقی باتوں کے علاوہ کسی تعمیری فکر نے کم ہی جنم لیا۔ (۷۴)

بے شمار صلاحیتوں کی حامل صحت مند افرادی قوت ہونے کے باوجود پاکستان میں فکری ہم آہنگی ہے اور نہ ہی نچلی سطح پر لوگوں کو دہشت گردی اور انتہا پسندی کے بارے میں درست شعور حاصل ہے۔ اس پس منظر کو جاننا پاکستان کے متوقع بیانیے کے تیاری کے لیے ضابطہ عمل بنانے کے لیے ضروری ہے تا کہ اس بیانیے کی تیاری کے لیے ضروری محرکات کی نشان دہی ہو سکے اور ایسا منہج اختیار کیا جا سکے جو قومی بیانیے کی تیاری میں مدد و معاون ہو سکے۔

۵.۲- متفقہ قومی بیانیہ کی تیاری کے موانع ومشکلات

قومی بیانیے کے محرکات کا جائزہ لینے سے پہلے بہت مناسب ہو گا کہ ان اسباب کو جانا جائے جس کی وجہ سے پاکستان کے قومی بیانیے کی تیاری میں تاخیر ہوئی۔ قومی بیانیے کی تیاری میں تاخیر کے اسباب کو جاننے سے اس منہج کے اختیار کرنے میں بھی مدد ملے گی جو قومی بیانیے کو تشکیل دینے اور اس کے مطابق پالیسی سازی کو مؤثر کرنے میں مدد و معاون ہو سکے۔ قومی بیانیے کی تاخیر کے کئی اسباب ہیں جن میں چند اہم حسب ذیل ہیں:

ا-دہشت گردوں کے لیے برداشت

قومی بیانیہ نہ ہونے کا سبب سطحی اپروچ کا نتیجہ تھا؛ عام لوگوں کے علاوہ کئی رہ نما بھی تحریک طالبان پاکستان اور اسی جیسی دوسری شدت پسند تنظیموں کے لیے ہم دردی کا رویہ رکھتے تھے۔ کچھ لوگ تو ان کے ڈر سے

73– Shaikh, *Making Sense of Pakistan*, 3–10; Feyyaz, “The Discourse and Study of Terrorism in Decolonised States,” 4–5; Feyyaz, “Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative,” 74–75.

74– Shaikh, *Making Sense of Pakistan*, 10–15; Feyyaz, “The Discourse and Study of Terrorism in Decolonised States,” 4–6; Feyyaz, “Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative,” 74–76.

ان کی حمایت کر رہے تھے، لیکن کچھ لوگ فکری کشمکش کے سبب طالبان کے بیانیے سے متاثر تھے۔ اسی فکر کی وجہ سے وہ لوگ جو ان کے ہم درد تھے تحریک طالبان پاکستان کو پاکستان کے اندر کارروائیوں کے لیے معاونت اور سہولت کاری فراہم کرتے تھے۔

متفقہ بیانیہ نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کے اندر رائے عامہ کافی منقسم تھی۔ عمومی رائے میں دہشت گردوں کے لیے ہم دردی پائی جاتی تھی۔ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ دہشت گردی پاکستان کے مفاد میں ہے۔ اسی طرح بعض لوگ مخالف فرقوں کے خلاف ہونے والے تشدد کو درست سمجھتے تھے اور اس کی حمایت میں تاویلیں دیتے تھے۔[۷۵] ایسے لوگ بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں جو تحریک طالبان پاکستان جیسے گروہوں کی طرف سے تشدد پسندی کو نفاذ شریعت کے لیے درست سمجھتے ہیں۔

ب- امریکہ اور مغرب کے خلاف جذبات

امریکہ حکومت پاکستان کی اجازت یا پھر نیم رضا مندی سے پاکستان میں دہشت گردوں کے ٹھکانوں کو نشانہ بناتا تھا۔ قومی بیانیہ نہ ہونے کی وجہ سے اور ملک میں عمومی طور پر امریکہ مخالف جذبات کی پذیرائی کی وجہ سے عوام الناس ان حملوں کے خلاف تھی۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ یہ پاکستانی اقتدار اعلیٰ کی خلاف ورزی ہے اور اس کے ذریعے ہزاروں معصوم شہریوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ اس عمومی رجحان میں دہشت گردوں کے حملوں سے ہونے والے نقصان کو زیر بحث ہی نہیں بنایا جاتا تھا بلکہ اگر پاکستان کو کوئی فائدہ حاصل ہو رہا تھا تو اسے بھی نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔[۷۶]

ج- دہشت گردوں کے ساتھ تعامل میں تفریق

پاکستان میں قومی بیانیہ نہ ہونے کی وجہ سے اچھے اور برے دہشت گردوں کی تقسیم دہشت گردی کے خلاف کارروائی میں بڑی رکاوٹ تھی۔ کچھ دہشت گردوں کو مفید سمجھا جاتا تھا اور کچھ کے خلاف شدت پائی جاتی

75– C. Christine Fair, Neil Malhotra and Jacob N. Shapiro, Democratic Values and Support for Militant Politics: Evidence from a National Survey of Pakistan," *The Journal of Conflict Resolution*, 58: 5 (August, 2014.); Feyyaz, "Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative," 75.

76– Farooq Yousaf, "The Drone Strike Narrative in Pakistan," *The Diplomat*, June 10, 2014;Feyyaz, "Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative," 75.

تھی۔ اس صورت حال میں وہ یک سوئی مفقود تھی جو دہشت گردی کے خلاف بھرپور کارروائی کے لیے جذبہ محرک بنے اور نتیجہ یہ تھا کہ دہشت گردی اور انتہاپسندی کے خلاف نہ کوئی بیانیہ تشکیل پا رہا تھا اور نہ ہی دہشت گردوں کے خلاف کوئی منطقی کارروائی ہو رہی تھی۔(۷۷)

د- دہشت گردی کے خلاف فیصلہ کن کارروائی میں تاخیر

پاکستان میں دہشت گردی کے واقعات میں اضافہ ۲۰۰۷ء میں لال مسجد آپریشن کے نتیجے میں شروع ہوا۔ اس آپریشن کے نتیجے میں دہشت گردوں کی تیاری اور بھرتی میں شدت پیدا ہوگئی اور ۲۰۰۹ء سے ہر سال دہشت گردی کی کارروائیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ ۲۰۱۳ء اور ۲۰۱۴ء میں یہ کارروائیاں انتہا کو پہنچ گئیں، لیکن پاکستان کی پہلی سیکورٹی پالیسی ۲۰۱۴ء میں بنی۔(۷۸) دہشت گردی کی وارداتوں میں مسلسل اضافے کا سبب یہ تھا کہ صلاحیت رکھنے کے باوجود ایک بھرپور اور ہمہ گیر کارروائی کی بجائے منتخب علاقوں اور منتخب گروہوں کے خلاف کارروائی ہوتی تھی۔ بیانیے کی صورت میں فکری اساس نہ ہونے کی بنا پر ہمہ گیر اور ایسی مؤثر کارروائی نہیں ہو رہی تھی جس سے دہشت گردی کو ختم کیا جاسکے۔ سیاست دانوں نے اس سارے معاملے سے اپنے آپ کو الگ کر لیا۔ قومی بیانیہ نہ ہونے کی وجہ سے قومی قیادت دہشت گردوں کے خلاف بھرپور اور مؤثر کارروائی کے لیے کسی متفقہ نتیجے پر نہیں پہنچ رہی تھی۔(۷۹) ۲۰۱۴ء کے بعد جب قومی قیادت اور مسلح افواج نے جامع اور بھرپور کارروائی ردالفساد کے نام سے شروع کی تو دہشت گردی کے واقعات میں مسلسل کمی ہونے لگی۔(۸۰)

77– Fair, Malhotra and Shapiro, Democratic Values and Support for Militant Politics; Feyyaz, "Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative," 75.

۷۸– تفصیل کے لیے دیکھیے:
https://tradingeconomics.com/pakistan/ terrorism-index visited on 18-8-2019; https://nacta.gov.pk/nisp-2014/

79– Talat Masood, "Pakistan's Fight Against Terrorism," *Defense Against Terrorism Review* 4:1 (2012): 13-30; Moeed Yusuf, "Rethinking counterinsurgency efforts in Pakistan and South Asia,", available at: http://www.usip.org/publications/rethinkingcounterinsurgency-efforts-in-pakistan-and-south-asia; Feyyaz, "Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative," 76.

۸۰– دیکھیے حوالہ نمبر ۷۸۔

ھ-فرقہ پرستی کا مذہبی بیانیہ

پاکستان میں عموماً لوگ مذہبی اور دینی زندگی گزارتے ہیں۔ عبادات کا اہتمام کرتے ہیں اور دینی شعار کی پابندی کرتے ہیں۔ یہ صورت حال عوام الناس کی دین سے محبت کی عکاسی کرتی ہے۔ اس محبت کی بنا پر لوگ مذہبی بیانیے کو نہ صرف پسند کرتے ہیں بلکہ اس کی نشر و اشاعت میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ برصغیر میں مذہبی فرقہ پرستی شروع سے ہی مذہبی بیانیے کا حصہ تھی لیکن افغانستان کی صورت حال اور بعض بیرونی قوتوں کے درمیان فرقہ وارانہ کشمکش نے اس فرقہ وارانہ بیانیے کو مزید مضبوط کر دیا ہے۔[۸۱] چوں کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور اسلام سرکاری مذہب ہے اور سیاسی طاقت کے حصول کے لیے اسلامی نعروں کا استعمال عام ہے؛ فرقہ وارانہ بیانیہ اور کشمکش نے اسی سے جنم لیا۔ افغانستان میں طالبان کے اثر و رسوخ نے بھی پاکستان میں فرقہ وارانہ بیانیے کی ترویج کی۔ ۱۹۸۰ء سے پہلے پاکستان میں شیعہ سنی تقسیم تھی اور نہ ہی بین الاقوامی تعلقات میں فرقہ وارانہ بیانیے کو کوئی خاص اہمیت حاصل تھی[۸۲] لیکن بدقسمتی سے قومی بیانیہ نہ ہونے کی بنا پر فرقہ ورانہ بیانیے نے پاکستانی قوم کو مذہبی اور سیاسی بنیادوں پر تقسیم کر دیا۔ قومی بیانیے کی جگہ مسلکی بیانیہ زیادہ مقبول اور مؤثر ثابت ہو رہا ہے۔ فرقہ وارانہ بیانیے نے قوم کو نہ صرف شیعہ اور سنی میں تقسیم کر دیا ہے بلکہ سنی بھی دیوبندی، بریلوی، سلفی وغیرہ میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ زیادہ متشدد فرقہ پرست معاشرے میں نہ صرف شدت پسندی کو فروغ دیتے ہیں بلکہ نفرت انگیزی پھیلانے میں بھی مصروف رہتے ہیں ہیں۔ انھی شدت پسندوں میں سے بعض لوگ بعد میں دہشت گرد گروہوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ لشکری جھنگوی، تحریک طالبان پاکستان جیسے گروہ اصل میں فرقہ پرستی کے نتیجے میں ہی سامنے آئے۔[۸۳]

و- سازشی نظریے کا دور دورہ اور عدم برداشت کا عمومی رجحان

قومی بیانیے کی تیاری میں تاخیر کی وجہ سے پاکستان میں عدم برداشت کے رویوں کا دور دورہ ہے۔ پاکستانی

81– Shaikh, *Making Sense of Pakistan*, 171; Feyyaz, "The Discourse and Study of Terrorism in Decolonised States," 6.

82– Shaikh, *Making Sense of Pakistan*, 172; Feyyaz, "Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative," 76; Feyyaz, "The Discourse and Study of Terrorism in Decolonised States," 6–7.

83– Feyyaz, "The Discourse and Study of Terrorism in Decolonised States," 5–6.

سماج کے مختلف طبقوں خاص طور پر سیاسی اور مذہبی قیادت اور میڈیا میں برداشت اور باہمی احترام کا شدید فقدان ہے۔ اکثر تجزیوں (تحریروں اور تقریروں) سے عقل و فکر اور گہرے غور و فکر کی بجائے رد عمل اور جذباتیت کی نمائندگی ہوتی ہے۔ سازشی تھیوری اور خواہشات کو تجزیہ اور حقیقت کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ کئی پالیسی ساز بھی سازشی تھیوری کو حتمی حقیقت سمجھتے ہیں جو گہری سوچ اور دور اندیشی کی بجائے رد عمل کے رویوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ پاکستانی مذہبی و سیاسی قیادت الیکٹرانک میڈیا سے مل کر ایسے بیانیے کو آگے بڑھا رہے ہیں جو الزام تراشی، سنسنی خیزی اور ذاتی اہداف کے حصول کا باعث بن رہا ہے۔ اسی سازشی رویے کا نتیجہ شدت پسندی ہے۔ شدت پسند اپنے آپ کو ہر ایک سے الگ کر کے، بہترین ہونے کے زعم میں مبتلا ہو کر، ہر مخالف کے خلاف غداری، کفر اور ملت فروشی کے الزامات لگاتے ہیں۔ انھی شدت پسند رویوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ریاست کو ہی کافر قرار دیا جانے لگا ہے۔ دوسرے ممالک میں دہشت گردی کو فروغ دینے کے لیے امت اور پین اسلام ازم کے نعروں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ملکی صورت حال میں خاص طور پر اقتصادی مسائل، سماجی ناہم واری، اداروں کے درمیان ٹکراؤ، حکومتی بدانتظامی، بے ایمانی اور رشوت ستانی جیسے چیلنجز کا حقیقت پسندانہ ادراک کرنے کی بجائے ہر ناکامی کو دشمن کی سازش قرار دے کر ہنود، یہود اور نصاریٰ کو مورد الزام ٹھہرانے اور اپنی ذمہ داریوں کو نظر انداز کرنے کا رویہ عمومی ہے۔ حقیقت پسندی، غلطیوں کی نشان دہی اور اصلاح احوال کی مخلص اور دیرپا سوچی سمجھی کوششوں کی بجائے ذاتی اغراض پر مبنی رویے نے قوم کو بدحال کر دیا ہے۔ بے شمار آوازیں شور تو برپا کر سکتی ہیں، لیکن ایک متحد، توانا اور باثر آواز قومی بیانیے کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ ایک متحد قوم کی عقل و شعور پر مبنی متفق آواز نہ ہونے کا سبب بھی قومی اتفاق رائے سے تزویراتی اور انسدادی بیانیے کی بروقت تشکیل نہ ہونا ہے۔[۸۴]

ز- سیاست میں تشدد پسندی کا رجحان

پاکستانی سیاست میں تشدد پسندی کا رجحان بھی کسی قومی بیانیے کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہوا۔ کئی سیاسی جماعتیں جو لسانی، مذہبی اور قوم پرستی کے نعروں کے ساتھ سیاست کرتی ہیں، وہ بھی سیاسی طاقت حاصل کرنے کے لیے تشدد کو ایک ذریعہ اور وسیلے کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ ان جماعتوں نے دہشت گردی کی مذمت اگر مگر کے ساتھ کی۔ صرف یہی نہیں بلکہ کئی ایسے دہشت گرد جو ریاستی ایجنسیوں کے ہاتھوں اپنے انجام تک پہنچے، ان

84– Shaikh, *Making Sense of Pakistan*, 171–72; Feyyaz, “The Discourse and Study of Terrorism in Decolonised States,” 5–6; Feyyaz, “Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative,” 76.

جماعتوں کے ہاں شہید ٹھہرائے گئے۔ تحریک طالبان پاکستان کے سربراہ حکیم اللہ محسود کو شہید کہا گیا، جب کہ سیکیورٹی اداروں کے اہلکاروں کو شہید قرار دینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا گیا۔ بڑی سیاسی جماعتیں بھی کسی متفقہ قومی بیانیے کے نہ ہونے کی وجہ سے تحریک طالبان پاکستان کے خلاف کارروائی کے لیے پرعزم نہ تھیں۔[۸۵]

ح–انسداد دہشت گردی کے لیے صرف طاقت پر انحصار

قومی بیانیہ نہ ہونے کی بنا پر پالیسی سازوں، سیاسی جماعتوں اور عوام میں عمومی تاثر یہ تھا کہ دہشت گردی کو صرف طاقت و قوت اور مسلح کارروائیوں کے ذریعے ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس رویے کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہادی نظریہ تحریک طالبان پاکستان جیسے دہشت گرد گروہوں میں مزید راسخ ہو گیا۔ نیشنل ایکشن پلان پر سست روی سے عمل بھی اسی فکر کی وجہ سے ہے۔ سیاسی جماعتیں اس معاملے کی ملکیت لینے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ تبدیلی کی سوچ پر Status Quo غالب رہا۔ عام پاکستانی اس صورت حال میں کشمکش میں مبتلا رہا۔ اس کے سامنے ایسے متضاد نظریے ہیں جو صرف اپنے آپ کو ہی درست سمجھتے ہیں اور کسی دوسرے کے وجود کے حق کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔[۸۶] وہ واضح طور پر یہ نہیں جانتا کہ درست کیا اور غلط کیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عام پاکستانی کو ایک قومی بیانیے کے ذریعے نہ صرف حقائق سے آگاہ کیا جائے بلکہ قومی بیانیے کے ذریعے درست اور غلط کی نشان دہی بھی کی جائے۔

۵.۳– متفقہ قومی بیانیے کے محرکات

پاکستان نے شدت پسندی کے خلاف بہت قربانیاں دی ہیں؛ پاکستان کے ۵۵۰۰۰ سے زیادہ شہری شہید جب کہ ۵.۰ ملین سے زیادہ لوگ زخمی ہوئے ہیں، جب کہ اربوں ڈالر کا معاشی نقصان اس کے علاوہ ہے۔ لیکن کوئی متحد قومی بیانیہ نہ ہونے کی وجہ سے دہشت گردوں کے خلاف قوم متحد نہ ہو سکی،[۸۷] بلکہ سیاسی قیادت اور

85– Express Tribune, November 11, 2013;White, J. T. 2008. “Vigilante Islamism in Pakistan: Religious Party Responses to the Lal Masjid Crisis.” *In Current Trends in Islamist Ideology*, Hudson Institute, vol. 7, November. http://www.currenttrends.org/docLib/20081117_CT7final%28lowres%29.pdf; Feyyaz, “The Discourse and Study of Terrorism in Decolonised States,” 7.

86– Shaikh, *Making Sense of Pakistan*, 170–75; Feyyaz, “The Discourse and Study of Terrorism in Decolonised States,” 5–8; Feyyaz, “Conceptualising Terrorism Trend Patterns in Pakistan - An Empirical Perspective” (Perspectives on Terrorism F) 1 (2013); Feyyaz, “Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative,” 70–78.

87– “Arshad Mehmood: Hanged, then buried by crowds of well-wishers,”

معاشرے کے بعض طبقات میں دہشت گردوں کی ٹکر کی حمایت بھی پائی جاتی تھی۔ اس کا ایک اہم سبب جہاد کے مفہوم اور اس کے معاشرے کے ساتھ تعلق کی نوعیت پر شدت پسند آرا کا غلبہ تھا۔(۸۸) اس صورت حال کو فرقہ وارانہ اختلافات نے اور گھمبیر کر دیا تھا۔ پاکستانی معاشرے میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو دہشت گردوں کی فرقہ ورانہ بنیادوں پر حمایت کرتے ہیں۔ معاشرے میں بڑھتی ہوئی، لاقانونیت، معاشی عدم ہم آہنگی اور تنگ نظری نے اس پیچیدگی کو اور بڑھا دیا۔ مغرب اور غیر مسلموں کے خلاف نفرت ابھارنے والے جذبات نے اس صورت حال میں جلتی پر تیل کا کام کیا اور کوئی متبادل بیانیہ نہ ہونے کی بنا پر نوجوانوں کے اندر شدت پسندی اور نفرت انگیزی کے جذبات بڑھنے لگے۔ پیچیدہ اور گنجلک مسائل کو سیاہ وسفید کی طرح پیش کرنے کے روایتی بیانیے نے بھی اس ضمن میں منفی کردار ادا کیا۔ ایسے نوجوان جو نہ ہی دین کو سمجھتے تھے اور نہ ہی مذہبی اصولوں کو کماحقہ جانتے تھے، روایتی نعروں اور بیانیے سے متاثر ہوتے ہوئے انتہا پسند بننے لگے۔(۸۹)

انتہا پسند کون ہے؟ انتہا پسندی کیا ہے؟ اور اس کو کس طرح ختم کیا جا سکتا ہے؟ اس پر نہ اتفاق تھا اور نہ ہی اس ضمن میں کوئی متفقہ پالیسی تھی۔ اس سب کا نتیجہ یہ تھا کہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کا کوئی متفقہ جواب تھا اور نہ ہی کوئی متفق علیہ حکمت عملی تھی۔ دہشت گردی کے مقابلے میں پاکستانی جواب عدم استحکام اور غیر مؤثریت کا شکار تھا۔ اس ساری صورت حال کے دو بنیادی اسباب تھے:

۱۔ انسداد دہشت گردی کی کوششیں غیر پختہ ارادے کے ساتھ روایتی بیانیے کے ساتھ کی جا رہی تھیں۔

۲۔ دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لیے غور وفکر کے ساتھ ساتھ مخصوص صلاحیتوں کے حاملین کی طرف سے علمی بنیادوں پر تیار کردہ متبادل بیانیہ موجود نہ تھا۔(۹۰)

Dawn.com, 21 December 2014; Wasif Khan, "Extremism and mainstream Pakistan," Dawn.com, 17 December 2012; Farida Shaheed, The occupation of mainstream cultural space in Pakistani society by politico-religious parties and groups", paper read in National Conference – Extremism, its impact on society: implications for women, 18-19 August 2009, National Commission on the Status of Women, Islamabad, 16

88– Moonis Ahmar, "Sectarian Conflict in Pakistan: Some Lessons from IRIS Experience," *IPRI Journal* 10, no. 01 (Winter 2010): 51–55; Abbas, "Shiism and Sectarian Conflict in Pakistan," 7–10.

89– Ayesha Siddiqa, "Red Hot Chilli Peppers Islam – Is the Youth in Elite Universities in Pakistan Radical?," n.d., 12–13.

۹۰– دیکھیے:

دہشت گردی اور انتہا پسندی کا علمی تجزیہ کرنے والے ماہرین ان چیلنجز کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں جو دہشت گردوں کے مؤثر بیانیے کی وجہ سے کئی معاشروں کو درپیش ہیں۔ ان چیلنجز کا مقابلہ قومی بیانیے کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے علمی شخصیات، علما، سیاسی دانش ور اور سیکیورٹی اہلکار ایک قومی بیانیے کی ضرورت کا زور دیتے رہے۔ یہی وہ ضرورت ہے جو **پیغامِ پاکستان** کے قومی بیانیے کی تیاری کا بنیادی محرک بنی۔

۴.۵– انسدادِ دہشت گردی کے بیانیے کی تیاری کے مناہج

تمام بیانیے ایک ہی طرح کے نہیں ہوتے؛ کچھ بیانیے عمومی حیثیت کے ہوتے ہیں اور کچھ بیانیے زیادہ راسخ اور حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایسے راسخ اور پختہ بیانیے کو Master Narrative کہا جاتا ہے۔[۹۱]

عموماً تاریخی کہانیوں، بیانیہ جات اور اساسی بیانیے کو ایک ہی سمجھا جاتا ہے، لیکن ان کے درمیان فرق ہے البتہ بیانیے کی یہ تینوں جہتیں بیانیے کی تشکیل میں جوہری کردار ادا کرتی ہیں۔ اس کی وضاحت درج ذیل نقشے سے واضح ہوتی ہے۔

بیانیہ

کہانی	کہانی	کہانی
نوعیت	موضوعات	آثارِ قدیمہ

اگرچہ دورِ حاضر میں کئی بیانیے وضع کیے گئے لیکن یہ بیانیے مکمل طور پر نئے نہیں ہوتے بلکہ ان میں پہلے سے موجود تاریخی کہانیوں کو نئے سرے سے اس طرح ترتیب دیا جاتا ہے کہ پوری کہانی خاص اہداف کے حصول کے لیے نئے سرے سے ترتیب پا جاتی ہے۔[۹۲]

اس صورتِ حال کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کارل سیگن (Carl Sagan) نے ۱۹۸۰ء میں Cosmos کے نام سے ایک ٹیلی ویژن شو شروع کیا۔ اس پروگرام کی ہر قسط میں ایک آواز سنائی جاتی تھی جو یہ بیان کرتی تھی کہ "Cosmos is made of billions and billions of stars"۔ سائنسی نقطۂ نظر سے

Feyyaz, "Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative"; Feyyaz, "Conceptualising Terrorism Trend Patterns in Pakistan, 73–75.

91– Halverson, Corman, and Goodall, *Master Narratives of Islamist Extremism*, 14.

92– Halverson, Corman, and Goodall, *Master Narratives of Islamist Extremism*, 11; Feyyaz, "Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative," 65–66.

یہ درست بات ہے لیکن سیگن سائنسی نقطۂ نظر کی بنا پر ہر گھر میں مشہور نہیں ہوئے بلکہ وہ اس بیانیہ کی وجہ سے مشہور ہوئے جو انھوں نے ستاروں کی کہانیوں کی بنا پر ترتیب دیا تھا۔ انھوں نے اپنے بیانیے میں اپنے انداز میں ان کہانیوں کو اس طرح مرتب کیا کہ ان کے بیانیے نے The Big Picture of the Cosmos کو ایک نئے بیانیے کے ذریعے ساری دنیا تک پہنچا دیا۔ [۹۳]

اس مثال کی طرح دہشت گرد تاریخی کہانیوں سے اپنے لیے مواد حاصل کر کے ایسا بیانیہ ترتیب دیتے ہیں جو انتہا پسند گروہوں کے اراکین کے لیے کشش کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے جب انتہا پسند اپنا کوئی بیانیہ ترتیب دے لیں تو پھر اس کے سدباب کے لیے مخالف بیانیہ ترتیب دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ انتہا پسندی کے انسداد کے لیے تیار کردہ بیانیے کے ہدف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ’’ یہ آن لائن اور آف لائن وسائل کی مدد سے انتہا پسندانہ اور پر تشدد انتہا پسندانہ پیغام کو بلا واسطہ یا بالواسطہ (طریقوں سے) چیلنج کرنے کی کوشش کرتا ہے۔‘‘ [۹۴]

انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف بیانیہ تیار کرنے کے لیے حکومتوں کو درج ذیل اقدامات کرنے چاہییں:

۱- حکومت کے تزویراتی اتصالات
۲- متبادل بیانیے کی تیاری کے انتظامات
۳- ایسی حکمت عملی کا انتخاب جو انتہا پسندی کو ختم یا کم کر سکے۔

اس بیانیے کی تیاری کے مختلف مراحل میں درج ذیل سوالوں کے جوابات حاصل کرنا بہت ضروری ہے:

۱- لوگ روزانہ معمول کے وقوع پذیر واقعات کو کس طرح سمجھتے ہیں۔
۲- لوگ پہلے سے موجود معلومات کو نئی معلومات کے ساتھ کس طرح منسلک کرتے ہیں۔
۳- لوگ نتائج کے طور پر وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی کیسے تعبیر کرتے ہیں۔
۴- لوگ کیسا مستقبل چاہتے ہیں اور کس ہدف کے حصول کے لیے کام کر رہے ہیں۔

93– Halverson, Corman, and Goodall, *Master Narratives of Islamist Extremism*, 11.

94– Briggs and Feve, *Review of Programs to Counter Narratives of Violent Extremism*, 06; Feyyaz, “Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative,” 66.

ان سوالات اور ان کے جوابات سے وہ دائرۂ کار اور منہج بنتا ہے جس کی مدد سے نہ صرف ہم دہشت گردوں اور انتہا پسندوں کے بیانیے کو سمجھ سکتے ہیں بلکہ اس کے جواب میں انسدادی بیانیہ بھی تیار کر سکتے ہیں۔ ان سوالات کا تعلق ان تاریخی حقائق سے ہے جو کہ ہمارے کلچر میں رچے بسے ہوئے ہیں اور انھیں ثقافت سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔[۹۵] دہشت گردوں اور انتہا پسندوں کے بیانیے کے انسداد[۹۶] کے لیے بیانیہ تیار کرنے کے لیے ماہرین نے جو مناہج (Methodologies) تجویز کیے ہیں ان میں سے پہلے منہج کو مربوط بیانیہ (Narrative Coherence) کہا جاتا ہے اور دوسرے منہج کو بیانیہ وفاداری (Narrative Fidelity) کہا جاتا ہے۔

مربوط بیانیہ وہ منہجی آلہ ہے جس کو استعمال کرتے ہوئے انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کی عام کہانیوں کا تجزیہ کرے ان کے بیانیے کو رد کیا جاسکتا ہے، جب کہ وفاداری کا بیانیہ دہشت گردوں کے بیانیے کے اثرات کا جائزہ لیتا ہے[۹۷] اور اس میں یہ تجزیہ کیا جاتا ہے کہ دہشت گردوں کی کہانیاں کس طرح عوام الناس، خاص طور پر نوجوانوں پر سحر انگیز اثر ڈالتی ہیں اور کیسے ان کی سوچ کو خاص اسلوب میں منتقل کرتی ہیں۔ اس طرح کے منہج کے استعمال سے یہ پتا چلتا ہے کہ دہشت گرد اپنی تنظیموں سے کن فکری اسباب کی بنا پر منسلک رہتے ہیں۔[۹۸]

یہی دونوں طریقے پاکستان میں قائم ہونے والی جہادی تنظیموں کے بیانیے کے انسداد کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ پاکستان میں جو غیر ریاستی عناصر سرگرم عمل ہیں ان میں مرکزی القاعدہ تنظیم، اسلامک موومنٹ آف ازبکستان، اسلامک جہاد یونین (IJU)، ایسٹ ترکستان اسلامک موومنٹ (ETIM)، تحریک طالبان پاکستان (TTP)، تحریک نفاذ شریعت محمدی (TNSM) ، لشکری جھنگوی (LeJ) ، سپاہ صحابہ پاکستان (SSP)، بلوچ لبریشن آرمی اور طالبان کے دوسرے گروپ شامل ہیں۔[۹۹]

95– Halverson, Corman, and Goodall, *Master Narratives of Islamist Extremism*, 16.

96– Steven R Corman, “Understanding the Role of Narrative in Extremist Strategic Communication,”; Feyyaz, “Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative,” 67.

97– Ibid.

98– Thomas Koruth Samuel, *Reaching the Youth: Countering the Terrorist Narrative*," Southeast Asia Regional Centre for Counter-terrorism, 2012), 31; Valentina Bartolucci and Steven R. Corman, "The Narrative Landscape of al-Qaida in the Islamic Maghreb," 2014, available at: http://csc.asu.edu/wp-content/uploads/pdf/csc1401-aqimnarrative-landscape.pdf.

99 – C. Christine Fair, “Militant Recruitment in Pakistan: Implications for Al Qaeda

ان سب دہشت گرد گروپوں نے پاکستان میں اپنی سرگرمیوں کو پھیلانے کے لیے نہ صرف اپنا بیانیہ مرتب کیا بلکہ اس کو پھیلانا بھی چاہتے تھے۔ یہ جہادی تنظیمیں پاکستان کی تزویراتی اہمیت سے آگاہ تھیں اس لیے انھوں نے اپنے مختلف بیانیوں میں نہ صرف پاکستان کا ذکر کیا بلکہ وہ یہاں سے آگے دوسرے ملکوں میں اپنی سرگرمیاں پھیلانے کے لیے نیٹ ورک بھی بنانا چاہتے تھے۔ ان تنظیموں نے پاکستان میں جو بیانیہ مرتب کیا اس میں مختلف طرز کے بیانیہ جات سے مواد لیا گیا ہے ان میں Master Narrative، Episodic Narrative، Meta Narrative اور Sectarian Narrative کے عناصر شامل ہیں۔(۱۰۰)

دہشت گردوں کے بیانیے اور ان کے رد کے لیے تیار کردہ بیانیے میں مقابلہ اور مسابقت کے عناصر ہونے چاہییں، کیوں کہ دہشت گرد اور حکومتیں دونوں ایک ہی طرح کے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہیں۔(۱۰۱)

۵.۵- متبادل قومی بیانیے کی تیاری کی حکمت عملی کے اصول وضوابط

چوں کہ دہشت گرد اور انتہا پسند ایسا سادہ اور مؤثر بیانیہ پیش کرتے ہیں جو مخاطبین اور عام لوگوں کو متاثر کرتا ہے، اس لیے ان کے بیانیے کی مختلف جہتوں کو سمجھتے ہوئے متبادل بیانیے کی تیاری میں ایسی حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو نفرت انگیزی کے بیانیے کا کماحقہ توڑ کر سکے۔ متبادل بیانیے کی تیاری میں نفسیاتی پہلوؤں، بیانیے کے بنیادی عناصر، جوابی بیانیے کے اصول وضوابط اور بیانیے کی تیاری کی پیچیدگیوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔(۱۰۲) جوابی بیانیے کی تیاری میں جو حکمت عملی مد نظر رکھی جانی چاہیے، درج کردہ عناصر کو اس حکمت عملی میں اساسی اہمیت حاصل ہونی چاہیے۔ حکمت عملی کے ان اصولوں کی کچھ تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

ا- بیانیے کے مخاطبین کا تعین

کسی بیانیے کو مخاطبین کی تحدید کیے بغیر تیار کرنا اس کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ مخاطبین کا تعین کرنا۔ ان کی مذہبی رسم ورواج اور عادات کو سمجھنا اور ان کے فکری رجحانات کو جاننا کسی بھی بیانیے کی تیاری کے لیے

---

and Other Organizations," *Studies in Conflict & Terrorism* 27, no. 6 (November 2004): 491.

100 – Feyyaz, "Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative," 68.

101 – Samuel, *Reaching the Youth*: Bartolucci and Corman, "The Narrative Landscape of al-Qaida in the Islamic Maghreb,".

102 – William D. Casebeer and James A. Russell, "Storytelling and Terrorism: Towards a Comprehensive 'Counter-Narrative Strategy," *Strategic Insights,* 4:3 (March 2005).

اساسی اور بنیادی کام ہے۔ اگر کوئی بیانیہ مخاطبین سے مکمل آگاہی کے بغیر تیار کیا جائے تو وہ نہ صرف غیر مؤثر ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات نقصان کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

اس لیے کسی بھی جوابی بیانیے کی تیاری سے پہلے اس بات کا تعین ضروری ہے کہ اس بیانیے کے مخاطبین کون ہوں گے اور بیانیے کے مخاطبین پر بیانیہ کیسے مؤثر ہو گا، نیز ان سے کس قسم کے رد عمل اور معاونت کی توقع ہو گی۔ جوابی بیانیے کی تیاری میں اس چیز کی بھی بڑی اہمیت ہو گی کہ وہ بیانیہ مخاطبین تک کیسے پہنچے گا اور اس کے ابلاغ اور نشر و اشاعت کے کیا کیا وسائل ہوں گے۔

ماہرین کا خیال ہے کہ جوابی بیانیہ عموماً معاشرے کے ہر فرد کے لیے ہونا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے کچھ مؤثر مخاطبین بھی ہونے چاہییں جیسا کہ حکومتی اہلکار، فیصلہ ساز، اساتذہ، نوجوان، خواتین، قانون ساز اور انسداد دہشت گردی کی مہم میں نمایاں کردار ادا کرنے والی شخصیات۔ جوابی بیانیے کے مخاطبین میں علما اور مساجد کے ائمہ کا بھی کردار اہم ہے؛ کیوں کہ ان کے وسیلے سے جوابی بیانیہ عوام الناس تک پہنچ سکتا ہے۔ جوابی بیانیے کے ابلاغ میں سماجی ادارے، سماجی تنظیمیں اور تعلیمی ادارے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں، اس ضمن میں روایتی وسائل ابلاغ کے ساتھ ساتھ جدید وسائل ابلاغ کی بھی بہت اہمیت ہے۔ اس طرح مؤثر بیانیہ زیادہ مؤثر طریقے سے لوگوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔[۱۰۳]

ب– مناسب ماحول کا میسر ہونا

کہانیاں اس وقت زیادہ پسند کی جاتی ہیں جب ان سے استفادے کے لیے مناسب ماحول موجود ہو۔ ساز گار فضا کی موجودگی میں نہ صرف کہانی کے کرداروں کو قبول کیا جاتا ہے بلکہ اس کے مکالموں کو بھی حقیقت کے طور پر اختیار کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی بیانیے کو مؤثر بنانے کے لیے قابل قبول ماحول کا میسر ہونا بہت اہم ہوتا ہے۔ اچھی فضا، میں نہ صرف بیانیہ پروان چڑھتا ہے بلکہ اس میں بیان کیے گئے حقائق بھی لوگوں کو ازبر ہو جاتے ہیں۔ بیانیہ تیار کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ مخاطبین کی سمجھ میں آئے اور اس میں ایسے حقائق موجود ہوں جنھیں لوگ یاد رکھ سکیں۔[۱۰۴]

103– "Developing Effective Counter-Narrative Frameworks for Countering Violent Extremism," 4–6.; Briggs and Feve, *Review of Programs to Counter Narratives of Violent Extremism*, 16–24.

104– Ibid., 05.

ج- پر تاثیر زبان واسلوب

کسی بھی مؤثر بیانیے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں ایسی زبان استعمال کی جائے جو شائستہ ہو اور اس میں مناسب استعارے ہوں۔ نیز ایسی ادبی زبان بھی ہو جو دل سوزی کے عناصر سے مرکب ہو۔ ماہرین کا خیال ہے سادہ زبان کی بجائے اخلاق (Ethose)، استعارے (Logos) اور رقت آمیزی (Pathose) کا استعمال بیانیہ سازی میں مؤثر سمجھا جاتا ہے۔ چوں کہ ان اسالیب کی اثر انگیزی کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے بیانیہ سازی میں الفاظ کے انتخاب اور جملوں کی ترتیب میں انھی کو پیش نظر رکھا جانا چاہیے۔ ان کے استعمال سے نہ صرف بیانیہ مؤثر رہتا ہے بلکہ اس کے تسلسل، ارتقا اور اثر پذیری میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

د- بیانیے کا مؤثر تانابانا

کسی بھی کہانی کے دو سیٹ ہوتے ہیں: ایک وہ جو ہمارا مخالف ہمارے متعلق کہتا ہے اور دوسرا وہ جو ضمنی طور پر (Implicitly) اور واضح و مفصل طور (Explicitly) ہم اپنے بارے میں کہتے ہیں۔ دہشت گرد تنظیموں کے پاس یہ الیاتی محرک موجود ہے کہ وہ بنیادی کہانی سے نکل جاتے ہیں اور اساسی بیانیے میں اس طرح تبدیلی کر کے اپنا مؤقف پیش کرتے ہیں کہ عام لوگ ان کے موقف کو اساسی بیانیے (Master Narrative) کا ہی حصہ سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کا یہی ہدف ہوتا ہے اور اسی ہدف کو حاصل کر کے وہ اپنے وجود کو تسلسل دیتے ہیں۔ ہمیں قومی بیانیہ تیار کرتے ہوئے اس بات کا ضرور خیال رکھنا ہے کہ نہ صرف ہماری کہانی اچھے طریقے سے کہی جائے بلکہ ہمارے افعال اور اقوال دونوں کو مقبولیت حاصل ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں مخالف کے Narrative OODA Loop[(۱۰۵)] یعنی اندر کی اصل کہانی کو جاننا ہو گا۔ تاکہ متبادل بیانیے کے ذریعے دہشت گردوں کے بیانیے میں موجود ان عناصر کی نشان دہی واضح اور مفصل الفاظ میں کی جا سکے جن میں انھوں نے حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہوتا ہے۔ ذیل کے نقشے میں اس کی مزید وضاحت ہے:

۱۰۵- Ooda Loop سے مراد وہ عمل ہے جس میں دنیا کا مشاہدہ کیا جاتا ہے؛ اس مشاہدے کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا ہے اور اس فیصلے کی روشنی میں عمل کیا جاتا ہے گویا کہ اس کے تین بنیادی عناصر مشاہدہ، فیصلہ اور عمل ہیں۔ یہ طریقہ کار امریکی ایئر فورس کے افسر جاق بویڈ (John Boyd) نے مرتب کیا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں:

Clarke, Richard *The Fifth Domain: Defending Our Country, Our Companies, and Ourselves in the Age of Cyber Threats* (New York: Penguin Press, 2019). p. 81;Dreier, *Strategy, Planning & Litigating to Win* (Boston, MA: Conatus Press,2012)

OODA Loop کی تصویری وضاحت[106]

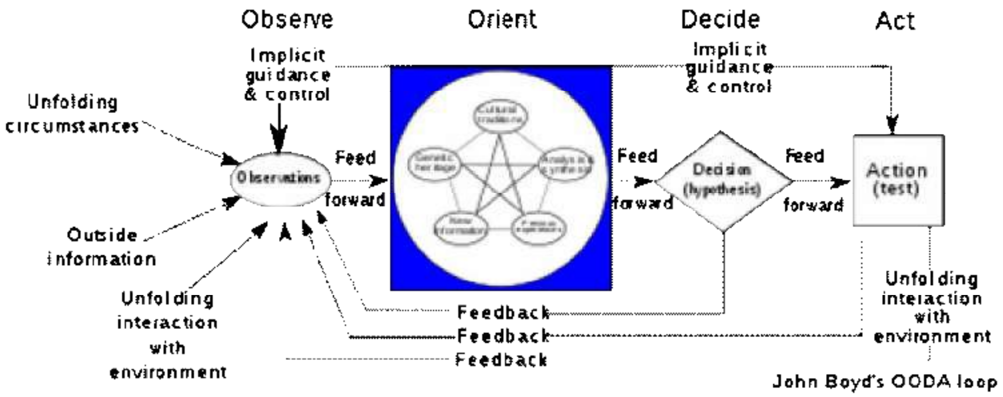

۵- تزویراتی بیانیے میں کام یابی کی تدابیر کا لحاظ

دہشت گردی اور انتہا پسندی کے انسداد میں جوابی بیانیے کی کام یابی ایک بہت اہم ہدف ہوتا ہے۔ اس قسم کے بیانیے میں تزویراتی کہانی کو اس طرح ترتیب دیے جانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ طویل المدتی اہداف پر نظر رہے اگرچہ ان تدابیر میں فوری نتائج کے لیے مناسب اقدامات سے انکار نہیں ہے، لیکن بیانیے کا ہدف سطحی اور فوری کام یابیاں نہیں بلکہ طویل المدتی کام یابیاں ہیں اس لیے طویل المدتی اہداف کو کسی بھی صورت میں وقتی کام یابیوں کے لیے قربان نہیں کیا جاسکتا۔

قومی، تزویراتی اور متبادل بیانیے کی تیاری میں اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس میں حفاظتی اقدام (Immune System) موجود ہو۔ کچھ بیانیے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں اور صورت حال یا ماحول کی تبدیلی ان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہ بیانیے طویل المدتی ہوتے ہیں۔ اس قسم کے بیانیے کی تفہیم و تطبیق کے لیے زیادہ کوشش کرنی پڑتی ہے، لیکن یہ بیانیے مؤثر بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ ایسے طویل المدتی بیانیے کے اہداف اسی صورت میں حاصل ہوتے ہیں جب ان کے حصول کے لیے سنجیدہ کوششیں جاری رکھی جائیں

---

106 – *Boyd, John R.* (3 September 1976*). Destruction and Creation*. U.S. Army Command and General Staff College (September 1976)*;* Boyd, John, R., The Essence of Winning and Losing, 28 June 1995: a five slide set by Boyd.

اور وقتی رکاوٹوں کا پوری تندہی اور عزم کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔[۱۰۷]

و- لچک، تازہ کاری اور اخذ و عطا کی گنجائش

کوئی سخت گیر (Rigid) بیانیہ ان دیکھے اور اچانک سامنے آنے والے چیلنجز کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ بھی درست ہے کہ بیانیے کے اندر کہانی (Story) میں ایک روانی اور تسلسل ہوتا ہے، اس لیے اخلاقی طور پر کہانی کو تبدیل بھی نہیں کیا جا سکتا، لیکن کہانی میں استعمال کیے گیے استعارے اور علامتیں یہ گنجائش ضرور فراہم کرتی ہیں کہ ان میں وقتاً فوقتاً تبدیلی کی جائے۔ اس لیے بیانیہ سازی کے مختلف مراحل میں اس صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں ایسے Grand Narratives تیار کرنے چاہییں جن میں لچک موجود ہو اور وہ نئی صورت حال میں نئے تقاضوں کو پورا کر سکتے ہوں۔ اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ پروپیگنڈا بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے، مخالف کی حکمت عملی بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے، اس لیے کہانی بیان کرتے ہوئے اس بات کی گنجائش رہنی چاہیے کہ کہانی کا بنیادی پلاٹ شفٹ ہو سکتا ہے اور اس کے اختتامی کلمات میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔[۱۰۸]

بیانیے کی تیاری کے لیے تجویز کردہ یہ چند اصول ضروری نہیں کہ ہر صورت میں نافذ العمل ہوں، تاہم یہ وہ عمومی اصول ہیں جن کے استعمال سے ایک مؤثر بیانیے کی تیاری میں مدد مل سکتی ہے۔

۴.۵- دہشت گردی کی نوعیت کا درست ادراک اور مقامی حل

متبادل قومی بیانیے کی تیاری کسی بھی دہشت گردی کے انسدادی پروگرام کے لیے ضروری ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ پاکستان میں شدت پسندی کے عوامل اور اسباب دوسرے ملکوں سے نہ صرف مختلف ہیں بلکہ اس کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ مزید برآں ان لسانی، مذہبی اور ثقافتی پہلوؤں کو جاننا بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے پاکستانی معاشرہ انتہا پسندی کا شکار ہوا۔ پاکستانی معاشرے میں موجود اقتصادی، سماجی اور سیاسی صورت حال بھی دوسرے ملکوں سے مختلف ہے، اس لیے ان سارے امور کو سمجھے بغیر ایک جامع انسداد دہشت گردی حکمت عملی ترتیب نہیں دی جا سکتی۔ اس ضمن میں اس چیز کو مد نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ ایسی مغربی حکمت عملی جو تمام حالات میں کام کر سکتی ہے۔ (One Size Fit All Approach) پاکستان کی پیچیدہ صورت حال میں کام نہیں کر سکتی ہے بلکہ اس کے لیے مقامی حالات سے مناسبت رکھنے والے حل کی ضرورت ہے چوں کہ مسائل بھی مقامی ہیں اس لیے ان کے مقامی حلول ہی مؤثر ہو سکتے ہیں۔ باہر سے تھوپے ہوئے حل مقامی مسائل کو درست نہیں

---

107 – Casebeer and Russell, “Storytelling and Terrorism,” 12.

108– Ibid.

کر سکتے۔[۱۰۹]

بعض غلط فہمیوں کی بنا پر کئی عالمی محققین پاکستان میں مذہبیت کو دہشت گردی کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ پاکستانی حالات میں خاص طور پر اور بین الاقوامی حالات میں عمومی طور پر مذہبیت کا مطلب دہشت گرد یا شدت پسند ہونا نہیں ہے۔ اور یہ دہشت گردی کو ماپنے کا معیار ہر گز نہیں ہے۔ اس قسم کا تجزیہ نہ صرف غلط ہوتا ہے بلکہ اس کے نتائج بھی دہشت گردی کے انسداد میں کوئی کردار ادا نہیں کرتے۔ پاکستان میں شدت پسندی کے کئی اسباب ہیں۔ ان اسباب میں طالبانائزیشن، فرقہ پرستی، جہادی فکر، نفاذ شریعت کے نعروں کا غلط استعمال، لسانی تضادات اور قوم پرستی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس لیے پاکستان کے لیے انسدادی اور متبادل بیانیہ تجویز کرتے ہوئے شدت پسندی کے اسباب اور عوامل کو جاننا اور ان کا درست تجزیہ کرنا بہت ضروری ہے۔[۱۱۰]

۵.۵-شدت پسندی کی طرف دھکیلنے (Push) اور کھینچنے (Pull) والے اسباب کا جاننا

دہشت گردی اور شدت پسندی کے تدارک کے لیے مناسب حکمت عملی میں ان اسباب اور عوامل کو جاننا بہت اہم ہے جو نوجوان اور عام انسانوں کو دہشت گردی کی طرف دھکیلتے ہیں یا پھر ان کی وجہ سے شدت پسندی بعض لوگوں کے لیے پر کشش بن جاتی ہے۔ متحدہ عرب امارات کے انسداد دہشت گردی کے ادارے ھدایۃ اور جکارتہ سینٹر برائے نفاذ قانون تعاون (Jakaarta Centre for Law Enforcement Cooperation [JCLEC]) نے شمال مشرق ایشیا میں دہشت گردی کے انسداد کے لیے بیانیہ تیار کرنے کے لیے ۲۱ تا ۲۳ مارچ کے دوران انڈونیشیا کے شہر سیمارانگ (Semarang) میں ماہرین کی ایک ورک شاپ منعقد کی۔ اس ورک شاپ میں شریک ۲۰ ماہرین نے مسلمان معاشروں میں شدت پسندی کی طرف دھکیلنے اور اس کی طرف کھینچنے والے عوامل (Push and Pull Factors) کی فہرست بنائی۔ اس فہرست میں شامل اسباب و عوامل پاکستان میں بھی Push اورPull فیکٹرز میں شامل ہیں۔ ان عوامل کی فہرست حسب ذیل ہے:

دہشت گردی / شدت پسندی کے اسباب و عوامل

Push Factors		Pull Factors	
۱-	اسلاموفوبیا	۱-	سیاسی شناخت

109 – Abdul Basit, "Countering Violent Extremism",46–47.

110– Muhammad Amir Rana and Safdar Sial, *Radicalization in Pakistan* (Islamabad: Narratives, 2012), 22.

۲-	نفرت انگیزی	۲-	مذہبی اور ثقافتی شناخت
۳-	جمہوریت کا عدم وجود یا اس کی کمی	۳-	میڈیا کا اثر ونفوذ
۴-	تعلیم کی کمی اور تنقیدی فکر کی کم یابی	۴-	احساس محرومی
۵-	لسانی اور مذہبی تنہائی اور عدم برداشت	۵-	مالی مفادات کا حصول
۶-	غربت وافلاس	۶-	جہادیوں کو Idealize کرنا
۷-	افغانستان، عراق اور دوسرے مسلمان علاقوں میں مغربی افواج کی مسلح کارروائیاں	۷-	خالص اسلام کو نافذ کرنے کی تمنا
۸-	مسلمان معاشروں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا شدید احساس	۸-	ایڈونچرازم
۹-	عدل وانصاف کے نظام کی عدم موجودگی	۹-	احساس تفاخر وقوت
۱۰-	معاشرتی تشدد	۱۰-	مسلم معاشروں کو تبدیل کرنے اور ان میں اصلاح کا احساس

یہ وہ عوامل و اسباب ہیں جن کی بنا پر عام لوگ تشدد پسند اور دہشت گرد گروہوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے کارکن بن کر پر امن معاشروں میں فسادات کا باعث بنتے ہیں۔ [۱۱۱]

۵.۶- کامیاب قومی تزویراتی بیانیے کی تیاری کے لیے ضروری ترجیحات

ا- دہشت پسندوں کی قیادت کا حقیقی تجزیہ

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ تشدد پسندی کی طرف مائل کرنے کے کئی اسباب اور عوامل ہو سکتے ہیں۔ یہ عوامل علاقے کے لحاظ سے اور افراد کے لحاظ سے مختلف بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح شدت پسندوں کی مختلف تنظیموں میں بھی اس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں۔ کوئی شخص کسی نظریے، خاندانی وجوہات، مالی اسباب یا ذاتی رنجشوں کی وجہ سے شدت پسند بن سکتا ہے۔ شدت پسندی کا ایک سبب دہشت گرد تنظیم یا گروہ کے لیڈر کی فکر یا اس کی شخصیت سے متاثر ہونا بھی ہو سکتا ہے۔ ان اسباب و عوامل کا درست تجزیہ کرنے میں وہ شخصیات زیادہ مدد و معاون ہو سکتی ہیں جو شدت پسند تنظیموں میں رہی ہوں اور اس کے بعد انھوں نے انھیں چھوڑ دیا ہو۔ جس طرح ان اسباب کو جاننا ضروری ہے جن کی وجہ سے لوگ شدت پسندی کی طرف مائل ہوتے ہیں اسی طرح ایسے عوامل کا تجزیہ بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے یہ لوگ شدت پسند تنظیموں کو چھوڑتے ہیں۔ مزید برآں شدت پسند تنظیموں کے اندر اختلافات بھی ہوتے ہیں؛ ان اختلافات کا تجزیہ کرنا اور ان کے ذریعے شدت پسندوں کو کم زور کرنا بھی ایک اچھی

111 – Zeiger, Counter-Narratives for Countering Violent Extremism *(CVE) in South East Asia*," 2; Basit, "Countering Violent Extremism, 47.

حکمت عملی ہو سکتی ہے۔ مؤثر بیانیہ وہی ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے شدت پسند اپنی لیڈر شپ سے متنفر ہوں؛ کیوں کہ شدت پسند جب اپنی قیادت سے متنفر ہوتے ہیں تو اس کا احترام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور آخر کار اس تنظیم کی قیادت سے باغی ہو کر یا تو اسے چھوڑ دیتے ہیں یا پھر قیادت انھیں مروا دیتی ہے۔(۱۱۲)

اعصام الریدی (Essam al-Ridi) ۱۹۸۰ء کے عشرے کے جہادی ہیں۔ انھوں نے سویت یونین کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا۔ انھوں نے ۱۹۹۸ء میں امریکی ایسٹ افریقن سفارت خانے میں ہونے والے دھماکے کی تفتیش کے دوران یہ گواہی دی کہ میں اسامہ بن لادن سے جنگی میدان کے احکام لینے سے انکار کر دیتا تھا، کیوں کہ اسامہ کے پاس جنگ کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس ضمن میں اعصام کا حسب ذیل بیان ہے:

> اس جہاں، نہ کہ دوسرے جہاں، کا باسی ہونے کے ناطے میرا یہ فہم ہے کہ یہ نری قتل وغارت گری ہے۔ اگر آپ یہ نہیں جانتے کہ آپ کیا کر رہے ہیں تو آپ اپنے لوگوں کو ہی قتل کر رہے ہیں۔۔۔ میں یہ دیکھنے کے بعد کہ افغانستان میں کیا ہو رہا ہے اور اسامہ کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور کیسے وہ صرف اپنے لیے قائد بن گیا ہے، مزید برہم اور مزید مخالف ہو گیا ہوں۔(۱۱۳)

اسی طرح کی مثال Libyan Islamic Fighting Group (LIFG) کے نعمان بن عثمان (Noman Benotman) کی ہے جس نے نہ صرف اپنا گروپ چھوڑ دیا بلکہ القاعدہ کو بھی چھوڑ دیا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ القاعدہ کے لیڈر اسامہ بن لادن کو اس بات پر قائل کرے کہ وہ عالمی جہادی موومنٹ ختم کر دے کیوں کہ اس کے خیال میں یہ ایسی جنگ ہے جس میں کام یابی کا کوئی امکان نہیں۔ اس نے سن ۲۰۰۰ء میں القاعدہ کو چھوڑا اور ۹/۱۱ کے بعد LIFG کو بھی چھوڑ دیا؛ کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ اب امریکہ القاعدہ اور اس سے متعلقہ تنظیموں پر شدید حملے کرے گا۔(۱۱۴)

ب۔ دہشت گردوں کی منافقت اور ان سے مسلمانوں کو پہنچنے والے نقصان کو بے نقاب کرنا

ایک مؤثر جوابی بیانیے کے لیے یہ تکنیک بھی اختیار کی جا سکتی ہے کہ عام مسلمانوں اور سویلینز کو دہشت گردوں کی طرف سے جو نقصان پہنچا ہے اس کی نشان دہی کی جائے۔ مزید برآں دہشت گردوں اور شدت

112 – Michael Jacobson, *Countering Violent Extremist Narratives* (Netherland: National Coordinator for Counterterrorism NCTB, January 2010), 75.

113– K. Moore, 'U.S.: Man Who Knew Bin Laden Now Just Wants Normal Life', *Radio Free Europe*, 10 September 10 2006, retrieved 1 November 2009.

114 – P. Bergen & P. Cruickshank, 'The Unraveling: Al Qaeda's revolt against bin Laden', *The New Republic*, June 11, 2008.

پسندوں کے نظریات کی منافقت کا پردہ چاک کیا جائے اور بتایا جائے کہ کس طرح وہ معصوم اور سادہ لوگوں کو دین کے نام پر اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ شدت پسند گروہوں کو چھوڑنے والے افراد ان دونوں اسباب سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسامہ بن لادن کا چھوٹا بیٹا عمر بن لادن افغانستان کے تربیتی کیمپوں میں ۵ سال تک رہا، لیکن اس نے ۱۱/۹ کے بعد القاعدہ کو یہ کہتے ہوئے چھوڑ دیا کہ اس کی کارروائیاں احمقانہ ہیں۔ اس نے ۱۱/۹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "یہ لوگ محض کٹھ پتلیاں ہیں۔ انھوں نے ہر چیز برباد کر دی ہے، اور اس سے کچھ حاصل بھی نہیں ہوا۔ ہمیں ۱۱/۹ سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟"[۱۱۵]

ایسا متبادل بیانیہ جو شدت پسندوں کی منافقت کو بے نقاب کرے اور ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو پہنچنے والے نقصانات کا تجزیہ کرے بہت مؤثر ہوتا ہے۔ اس بیانیے سے نہ صرف شدت پسندی کی منافقانہ فکر کا پردہ چاک ہوتا ہے بلکہ یہ پتا بھی چلتا ہے کہ مسلمانوں کو نقصان امریکہ اور مغربی طاقتوں سے نہیں بلکہ ان گروہوں سے پہنچتا ہے، جیسا کہ نیشنل کاؤنٹر ٹیررازم سنٹر کے ڈائریکٹر کہتے ہیں: "یہ القاعدہ ہے، نہ کہ مغرب، جو حقیقتاً اسلام سے مصروفِ جنگ ہے۔"[۱۱۶]

ج۔ شدت پسندوں کی جرائم کی نشان دہی

شدت پسند اور دہشت گرد اپنے بیانیے میں خود کو مجاہدین اور ابطال کے طور پر پیش کرتے ہیں، جب کہ حقیقت میں وہ انسانیت کے مجرم اور قبیح ترین جرائم کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔ جوابی اور انسدادی بیانیے کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف معصوم انسانوں کا قتل کرنے والوں، لوگوں کے کاروبار اور پراپرٹی کو نقصان پہنچانے والوں اور ملکوں، معاشروں اور افراد کے خلاف جرائم کے ارتکاب کرنے والے دہشت گردوں کی نشان دہی کرے بلکہ یہ بھی ثابت کرے کہ ان کے افعال قرآن و سنت اور ملکی قانون کی رو سے جرائم ہیں۔ اور یہ ایسے جرائم ہیں جن کی سخت ترین سزا ہے۔ اس طرح سے نہ صرف گرفتار شدہ شدت پسندوں کو سزائیں دی جا سکتی ہیں بلکہ حفظ ماتقدم کے طور پر وہ لوگ جو دہشت گردوں کے حمایتی ہیں یا ممکنہ طور پر ان کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں انھیں

115– Jacobson, *Countering Violent Extremist Narratives*, 76.;P.L. Bergen, *The Osama bin Laden I Know: An Oral History of al Qaeda's leader* (New York: Simon & Schuster, 2006), 384.

116– Ibid.; 15 Michael Leiter, speech at the Washington Institute for Near East Policy, February 13, 2008; See also M. Levitt & M. Jacobson, "Highlighting al Qaeda's Bankrupt Ideology", The Washington Institute for Near East Policy, Policy Watch, no. 1371, 2008.

بھی خبر دار کیا جا سکتا ہے کہ شدت پسندی جرم ہے اور جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے کوئی ہم دردی نہیں ہے۔ اس ضمن میں دہشت گردوں کی کارروائیوں کی مثالیں دینا بھی مناسب ہو گا۔ ۲۰۰۴ء میں القاعدہ نے میڈرڈ میں ٹرین پر حملہ کروایا۔ اس حملے میں ۲۰۰ سے زیادہ افراد جاں بحق ہوئے۔ تحقیقی اداروں کی رپورٹوں کے مطابق ان حملوں کے لیے وسائل منشیات فروخت کر کے حاصل کیے گئے تھے۔ ۷/ جولائی ۲۰۰۵ء کو لندن میں ٹرانسپورٹ سسٹم پر جو حملے کروائے گئے تھے۔ اس کے وسائل بھی کریڈٹ کارڈ کے فراڈ کے ذریعے حاصل کیے گئے تھے۔ ۲۰۰۲ء میں بالی میں جو دھماکے ہوئے تھے ان کے لیے رقم کا انتظام سونے کی دکانوں پر ڈاکے ڈال کر کیا گیا تھا۔[۱۱۷] اس قسم کی مثالوں سے عام مسلمانوں کو یہ بتایا جا سکتا ہے کہ جن اعمال کی بنیاد جرائم اور قانون شکنی پر ہو وہ جہاد کیسے ہو سکتے ہیں۔

ھ- دہشت گرد اور شدت پسند کی زندگی کی حقیقی تصویر کشی

متبادل بیانیے کی تیاری میں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ لوگوں کو پتا چلے کہ تشدد پسندوں اور دہشت گردوں کی زندگی کوئی عزت واحترام اور وقار والی نہیں ہوتی بلکہ اس میں دھوکہ، فراڈ، لوٹ مار، نفرت، ظلم اور موت ہے۔ عموماً دہشت گرد اسلحہ پکڑ کر ایسی تصویریں عوام کے سامنے لاتے ہیں جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ عزت، وقار اور بہادری کی زندگی گزار رہے ہیں، جب کہ حقیقت میں ان کی زندگی شر، فساد اور قتل وغارت کی زندگی ہوتی ہے۔ دہشت گردوں کی زندگیوں کو سب سے زیادہ خطرہ حکومتوں اور دہشت گردی کے خلاف کارروائی کرنے والے مسلح اداروں سے نہیں بلکہ ان دہشت گرد تنظیموں سے ہوتا ہے جن کے لیے وہ کام کر رہے ہیں۔[۱۱۸]

تزویراتی ماہرین کہتے ہیں کہ افغانستان میں موجود القاعدہ کی قیادت پاکستانی اور افغانی دہشت گردوں پر اعتماد نہیں کرتی تھی۔ انھیں جیل میں ڈالا جاتا تھا۔ ان کا مال لوٹا جاتا تھا۔ بعض اوقات انھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا تھا اور بعض اوقات القاعدہ نے ان کی قتل وغارت گری بھی کی۔[۱۱۹] یہ وہ تصویریں ہیں جو عموماً لوگوں سے اوجھل رہتی ہیں جب کہ متبادل بیانیے میں ان حقائق کو ظاہر کرنا ضروری ہے۔ اس طرح متبادل بیانیہ زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے۔

---

117 – Jacobson, “Countering Violent Extremist Narratives,” 76–77.

118– Ibid., 77.

119– Fair, “Militant Recruitment in Pakistan,” 495.

۵.۷- بیانیے کی تیاری اور ترتیب میں انسانی نفسیات کا لحاظ

کسی بھی بیانیے کی تیاری میں Theory of Story کا استعمال ہوتا ہے۔ انسانی فکری ڈھانچے میں تفہیم کے لیے کہانی کی بہت اہمیت ہے۔ کہانی میں استعارے، اقتباسات اور علامتیں ہوتی ہیں۔ ان اسالیب سے انسانی نفسیات کو جبلی آشنائی اور لگاؤ ہے۔ اسی فطرتی لگاؤ کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ چیزوں کو سمجھنے کا پیچیدہ کام، کلاسک مکینکس (Classical Mechanics of National Actor Theory) سے نہیں ہوتا بلکہ کہانی اور اس کے مختلف کرداروں سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ضروری نہیں کہ کہانی ہی انسانی فکر کی بنیاد ہو اسے یہ ضرور جان لینا چاہیے کہ کہانی (Story) ہمارے واقعات کو جاننے، انھیں زندہ کرنے، ہمارے ارادوں کو پختہ کرنے، ہمارے جذبات کو ابھارنے، انھیں مشتعل یا ٹھنڈا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اسی سے ہم واقعات پر رد عمل دینا سیکھتے ہیں۔ اسی کے ذریعے سے ہم اپنے مسائل کا ادارک کرتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر ان کے حل کے لیے کوششیں کرتے ہیں۔ اسی کہانی (Story) کے سارے عناصر بیانیے (Narrative) میں شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے کوئی بھی بیانیہ تیار کرتے ہوئے ان تمام نفسیاتی عوامل و اسباب کا ادراک ضروری ہے جو بیانیے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔[۱۲۰]

۵.۸- شدت پسند تنظیموں کے ارتقائی مراحل کو سمجھنا

شدت پسند تنظیمیں بھی ارتقائی مراحل سے گزرتی ہیں۔ ان کا ایک لائف سرکل (Life Circle) ہوتا ہے۔ اس لائف سرکل کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب شدت پسند جماعت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ پھر اس میں بڑھوتری ہوتی ہے، پھر یہ گروہ پختگی (Maturity) اختیار کر لیتا ہے اور آخر میں استحکام (Consolidate) حاصل کر لیتا ہے۔ پھر بعض گروہ کسی علاقے پر قبضہ کر کے حکومت قائم کر لیتے ہیں اور بعض گروہ دوسری ریاستوں کی مسلح افواج سے تصادم کے نتیجے میں شکست کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان تنظیموں کا سب سے اہم مقصد اپنا

---

120 – Casebeer and Russell, "Storytelling and Terrorism," 4.; Mark Turner, *The Literary Mind* (New York: Oxford University Press, 1998);Alicia Juarero, Dynamics in Action (Cambridge, MA: MIT Press, 1999);Graesser, A. C., & Nakamura, G. V. (1982), Arthur C. Graesser and Glenn V. Nakamura, "The impact of a schema on comprehension and memory." in *The Psychology of Learning and Motivation*, ed. Gordon H. Bower (New York: Academic Press, 1982), 16: 59-109.

بچاؤ (Survival) ہوتا ہے۔ شدت پسند تنظیموں کے لائف سرکل میں بیانیہ بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کردار کو سمجھے بغیر کوئی مؤثر جوابی اور متبادل بیانیہ تیار نہیں کیا جا سکتا۔ عام طور پر شدت پسند تنظیمیں اپنے بیانیے کو اپنے لائف سرکل میں کم وبیش درج ذیل مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں:

۱۔ اپنے کارکنان کی بھرتی اور جذباتی تیاری کے لیے۔

۲۔ اپنی تنظیم کے وجود کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے۔

۳۔ پہلے سے موجود نظریاتی ساتھی تنظیموں سے متعارف کروانے کے لیے۔

۴۔ ایسی جگہ شناختیں قائم کرنے کے لیے جس جگہ شناختی علامتیں نہ ہوں۔

۵۔ تنظیم کی بڑھوتری کے لیے۔

۶۔ بنیادی اراکین تنظیم کو قیادت کے لیے تیار کرنے کے لیے۔

۷۔ ان اقدامات کے جواز کے لیے جو تنظیم کو بقا دینے یا پھیلانے کا سبب بنیں۔

ان مقاصد میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ یہ کوئی حتمی فہرست نہیں ہے، لیکن ان مقاصد کو جوابی بیانیے کی تیاری میں سمجھنا بہت اہم اور مفید ہے۔ ان کو سمجھے بغیر مؤثر جوابی بیانیہ تیار ہونا ممکن نہیں ہے۔ [۱۲۱]

مختصراً یہ کہ کسی بھی بیانیہ سازی کے عمل میں یہ جاننا ضروری ہے کہ قومی بیانیے کے لائحۂ عمل کی تطبیق، بیانیے کے موانع ومشکلات کو جانتے ہوئے مناسب منہج کے اختیار سے ہی ممکن ہے۔ یہ منہج نہ صرف ان سوالات کی نشان دہی کرتا ہے جو بیانیہ سازی کے لیے ضروری ہیں بلکہ بیانیے کی تشکیل کے اصول وضوابط تیار کرنے میں بھی مددگار ہوتا ہے؛ ان اصول وضوابط کی مدد سے نہ صرف دہشت گردی کی طرف دھکیلنے اور کھینچنے والے اسباب کا پتا چلتا ہے بلکہ انھی کے ذریعے دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے مقامی اور مؤثر حل بھی تجویز کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ قومی بیانیے کی تیاری کے مواقع پر ایسی ضروری ترجیحات کا علم ہو جو دہشت گردوں کے احوال سے مکمل اور کماحقہ آگاہی فراہم کرتی ہیں۔

121– Maj. Troy S. Thomas, USAF and Maj. William D. Casebeer, USAF, "Violent Non-State Actors: Countering Dynamic Systems," *Strategic Insights*, 3: 3 (March 2004) Maj. Troy S. Thomas, USAF and Maj. William D. Casebeer, USAF, "Deterring Violent Non-State Actors in the New Millenium," *Strategic Insights*, 1: 10 (December 2002).

نتیجہ

مقالہ ہذا میں جس مواد کا تجزیہ کیا گیا ہے اس کا تعلق بیانیہ سازی کے بنیادی تصورات، بیانیے کی ضرورت واہمیت اور بیانیہ سازی کے لائحۂ عمل سے ہے۔ اس مطالعے سے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

اردو زبان میں بیانیے کے لفظ کا اصل عربی لفظ "بیان" ہے اور اس کا لغوی مفہوم بلیغ و فصیح الفاظ کے ساتھ اظہار مقصود ہے۔ بیانیے میں واقعات، احوال یا پھر مشاہدے کو ایک کہانی کی سی ترتیب میں پیش کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں بیانیے کے لیے Narrative کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اصطلاح میں بیانیے سے مراد پر اثر الفاظ کا ایسا انتخاب ہے جس کے ذریعے مخصوص رائے کو ایک مؤثر ذریعے سے اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ اسی کو حقیقت سمجھا جائے اور اسی کے ذریعے ثقافت ومعاشرت اور مذہبی تصورات کی الفاظ کی صورت میں تصویر کشی کی جائے۔ بیانیے کے ذریعے سے ہی اچھائی وبرائی، غلط و صحیح اور نیک وبد کے معیارات طے ہوتے ہیں۔ بیانیہ نہ صرف انسان کے انسانوں سے تعلقات کی نشان دہی کرتا ہے بلکہ انسان کے ارد گرد کے ماحول اور حیوانات سے روابط کا بھی مظہر ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ بیانیہ وہ پر اثر الفاظ ہیں جنھیں مخاطبین حقیقت اور سچ سمجھیں اور ان کے نزدیک وہ صحیح اور غلط کو ماپنے کی کسوٹی ہوں۔

دور حاضر میں بیانیے کی بہت اہمیت ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح رہنا ہے؟ کس طرح بولنا ہے کس طرح جانا ہے؟ اسی کے ذریعے ہم انسانی زندگی، سماجی انصاف، حقیقت، سچائی اور اخلاقی سمجھ بوجھ جیسے تصورات میں رنگ بھرتے ہیں۔ سماجی رویوں، سیاسی حرکیات اور اقتصادی امکانیات کی تشکیل کا وسیلہ بھی بیانیہ ہی ہوتا ہے۔ بیانیے کے ذریعے ہی بار بار استعمال کیے گئے جملے ایک جال کا حصہ بن کر کسی معاشرے کے اجتماعی، اکثریتی یا انفرادی نقطہ نظر کو تشکیل دیتے ہیں۔ بیانیہ معاشرے کو جامد بھی بنا سکتا ہے اور اسی کے ذریعے سے ہی معاشرے میں تبدیلی بھی لائی جا سکتی ہے۔ سیاسی عدم استحکام، معاشی بدحالی، سماجی انصاف کی کمی اور اجتماعی شعور کا انحطاط ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے کسی قوم کا اجتماعی بیانیہ بھی متاثر ہوتا ہے۔ یہ کمزوریاں ردعمل کی ذہنیت پیدا کر دیتی ہیں اور اسی صورت حال سے فائدہ اٹھا کر انتہا پسند اپنے بیانیے کو قابل قبول بنانے میں کام یاب ہو جاتے ہیں۔ یہی کچھ پاکستان میں ہوا۔ دہشت گردوں نے جذباتیت کی فضا میں جذباتی نوجوانوں کو سطحی بیانات کے ذریعے اپنے گروہوں میں شامل کروایا اور انھیں معاشرے میں تشدد اور تخریب کاری کے لیے استعمال کیا۔

بیانیے کی کئی اقسام اور انواع ہیں، جن میں اساسی بیانیہ، اخلاقی بیانیہ، قسطوں والا بیانیہ، میٹا بیانیہ،

فرقہ وارانہ بیانیہ اور قومی بیانیہ شامل ہیں۔ قومی بیانیہ کسی قوم کی متفق علیہ رائے ہوتی ہے۔ اس رائے کو بہت محتاط انداز میں قومی عقائد، تاریخ اور روایات سے کشید کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے ملک یا قوم کے وجود سے تعلق رکھنے والے بنیادی اہداف کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ قومی بیانیہ اجتماعی شعور، اجتماعی شناخت اور وسیع تر قومی تہذیب کی تشکیل کا سبب بنتا ہے۔ اس قسم کا بیانیہ ریاست کی تعمیر کرتا ہے۔ قومی بیانیے کی تزویراتی، متبادل اور انسدادی جہتیں ہوتی ہیں۔ اسی قومی بیانیے کے ذریعے کسی قوم کے اجتماعی کردار کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔

پاکستان میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی کو روکنے کے لیے پہلی مرتبہ ۲۰۱۴ء– ۲۰۱۸ء قومی سیکیورٹی پالیسی بنائی گئی۔ اس پالیسی میں قومی بیانیے کی تیاری پر زور دیا گیا۔ قومی بیانیہ نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان میں نہ صرف ثقافتی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی ہم آہنگی قائم نہ ہو سکی بلکہ تشدد اور انتہا پسندی کے رجحانات بھی پیدا ہوئے۔ قومی بیانیہ نہ ہونے کی وجہ سے قومی تنوع نے اختلاف کی شکل اختیار کرلی اور قومی چیلنجز کے خاتمے کے لیے کوئی حقیقی راہ عمل تشکیل نہ پاسکی۔ دہشت گردوں کے لیے ہم دردی، ان کے خلاف تعامل میں فرق، امریکہ اور مغرب کے خلاف جذبات اور فرقہ وارانہ مذہبی بیانیے کی وجہ سے نہ صرف دہشت گردوں کے خلاف کارروائی میں تاخیر ہوئی بلکہ قومی بیانیہ بھی تشکیل نہ پا سکا۔ سماجی رویوں، پالیسی سازی اور فیصلہ سازی میں زوال جاری رہا اور سازشی نظریات کے زیر اثر معاشرت، سیاست اور سماج میں تشدد، نفرت انگیزی اور فرقہ پرستی بڑھتی رہی۔

قومی سطح پر بے شمار آوازوں کا شور تو ضرور ہے، لیکن قومی بیانیے کی تشکیل میں تاخیر کی وجہ سے ایک متحد، توانا اور قومی مؤثر آواز کی تیاری کا کام ابھی تشنۂ تکمیل ہے۔ دینی تعلیمات کو مسخ کرکے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے رجحان اور بعض قومی ناکامیوں نے ایک ایسے محرک کی شکل اختیار کرلی ہے جو قومی بیانیے کی تشکیل کا سبب بنے۔ اسی لیے قومی بیانیے کی تیاری کے لیے بعض اہم اقدامات ناگریز ہوگئے ہیں۔ ان اقدامات کے ساتھ مناسب منہج کے اختیار کرنے سے ہی قومی بیانیے کی تشکیل کا مرحلہ سر ہو سکتا ہے۔ قومی بیانیے کی تیاری کے منہج میں دہشت گردی کے حوالے سے سوالات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات کی صورت میں ہی مربوط اور وفاداری پر مبنی بیانیہ سازی کے مناہج ترتیب دیے جاسکتے ہیں۔ بیانیہ سازی کے لیے مناسب منہج کے اختیار کے ساتھ ساتھ اس کے لیے مخاطبین کی تعیین، مناسب ماحول کی تیاری، پرتاثیر زبان کا استعمال، مؤثر تانا بانا اور لچک اور تازہ کاری جیسے اصول و ضوابط کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے قومی بیانیے کی تاثیر کو یقینی بنانے کے لیے دہشت گردی کی نوعیت کا درست ادراک اور فہم بھی بہت ضروری ہے؛ کیوں کہ ایسے فہم کی وجہ سے ہی دہشت

گردی کا مؤثر، باعمل اور مقامی تدارک ممکن ہے۔ قومی بیانیے کی تیاری میں دہشت گردی، تشدد پسندی اور انتہا پسندی کی طرف کھینچنے اور دھکیلنے والے اسباب کا جاننا بھی بہت اہم ہے۔ قومی بیانیے کی تیاری میں دہشت گردی کی وجہ سے مسلمانوں کو ہونے والے نقصان اور شدت پسندوں کے جرائم کی نشان دہی بھی ضروری ہے، نیز نوجوانوں کو دہشت گردوں کی حقیقی پر خطر اور بے مراد زندگی کے حقائق سے آگاہ کرنا بھی ضروری تاکہ نوجوان بہادری کے بے لگام جذبات میں خوابوں کے تکمیل کے ایسے سفر پر روانہ نہ ہو جائیں جس کی منزل تباہی، بربادی اور موت کے سوا کچھ نہیں۔اس ضمن میں پالیسی سازوں کے لیے دہشت گرد تنظیموں کے ارتقائی مراحل کو سمجھنا بھی بہت اہم ہے۔

بیانیے کا انسانی نفسیات سے گہرا تعلق ہے، اس لیے ضروری ہے کہ قومی بیانیہ تیار کرتے ہوئے نفسیاتی پہلوؤں کو مکمل طور پر بروئے کار لایا جائے؛ کیوں کہ انسانی نفسیات ہی کہانی کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ نیز بیانیے میں موجود استعارے، علامتیں اور اقتباسات اسی وقت مؤثر ہوتے ہیں جب وہ انسانی نفسیات سے مطابقت رکھتے ہوں۔

۞۞۞۞۞